Child Sexual abuse and Homosexuality

بچوں کا جنسی استحصال اور ہم جنسیت

مصنف دانش آفتاب

ہم جنسیت کی حقیقت،

یہ کیاہے؟ کیوں ہے؟ شریعت اس بارے میں کیا کہتی ہے؟

بچوں کا جنسی استحصال اور اس کی وجوہات

بچوں کی حفاظت کس طرح ممکن ہے؟

علماء ،محققین اور والدین کے لئے بہترین تحفہ

بچوں کا جنسی استحصال اور ہم جنسیت

مصنف دانش آفتاب

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب: بچوں کا جنسی استحصال اور ہم جنسیت

مصنف: دانش آفتاب

طبع اول: دسمبر 2007

ناشر: الجوزی پبلیشرز اینڈ پرنٹنگ پریس، اسلام آباد

قیمت: 50 روپے

فہرست مضامین

	صفحہ نمبر
1) پہلی بات	5
2) لواطت	7
3) ہم جنسیت کیا ہے؟	10
4) لڑکے اور لڑکی میں فرق	12
5) دوستی اور عشق میں فرق	13
6) دوستی یا عاشقی؟	14
7) تھانوی صاحبؒ کی تنبیہ	16
8) بدمعاش	〃
9) بچوں کا ابتدائی جنسی طرز عمل	21
10) بچہ اور جنسیات	23
11) ایک آدمی کا اس جرم تک پہنچنا	〃
12) تفریح، بچوں کا بنیادی حق	24
13) داڑھی کی اہمیت	26
14) عورت کا حکم رکھنا	29
15) اولاد کی حفاظت کرنا باپ کا فریضہ	30
16) شرعی احکامات	31
17) بچیوں کے لئے احتیاط	33
18) بچیوں کو کب پردے کی عادت ڈالنی چاہیے؟	〃
19) تھانوی صاحبؒ کی ایک اعلیٰ تحقیق	35
20) بچوں کے لئے احتیاطی تدابیر	39

21) نگاہ کی حفاظت	41
22) تھانوی صاحبؒ کا ایک خطبہ	42
23) علماء اور فقہاء کی احتیاط	45
24) مولوی حضرات یہ کام کرتے ہیں؟	46
25) پولیس کا حال	47
26) گھریلو جھگڑوں کا بچوں پر اثر	48
27) بچوں کو سزا کیسے دی جائے؟	49
28) اساتذہ کی مار دھاڑ	50
29) داڑھی، کیا؟ کیوں؟ کب؟........	51
30) بچوں کی جسم فروشی	59
31) این جی اوز کا کردار	〃
32) عالمی سطح پر بچوں کا تجارتی جنسی استحصال	60
33) مفعول	64
34) بچوں کو جنسی تشدد سے بچائیے	66
35) لباسؒ	72
36) چہرے کا پردہ	73
37) چہرہ نہ چھپانے کے غلط دلائل	76
38) آخری بات	79

پہلی بات

ہم دین اسلام کے بارے میں مختلف غلط فہمیوں کا شکار ہیں آج کل کی سب سے بڑی غلط فہمی یہ ہے کہ ہم دین کے مفہوم سے صحیح طرح واقف نہیں ہیں۔ دین اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اس میں زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق راہنمائی موجود ہے۔ لیکن ہمارے خیال میں روزہ نماز اور حج وغیرہ ہی دین ہے اس کے علاوہ جو معاملات زندگی ہیں ان میں ہم آزاد ہیں۔ ان میں نہ تو کوئی اسلامی کتاب دیکھنے کی فرصت گوارہ کرتے ہیں اور نہ ہی کسی عالم سے مسئلہ پوچھتے ہیں۔ یہ خود ساختہ خیال بھی ہم نے اپنے ذہنوں میں بٹھایا ہوا ہے کہ بہت سے موضوعات (ٹاپکس) تو ان سے پوچھے (یا ڈسکس کرے) ہی نہیں جاسکتے کیونکہ وہ ''تنگ نظر'' ہیں جیسے کاروباری مسائل، سیاست، حکومت، معاشرت، تجارت اور اس ہی طرح نجی زندگی کے مسائل جیسے جنسیات وغیرہ۔ لوگوں میں یہ غلط خیال اس لیے پروان چڑھ گیا کہ انہوں نے دین میں صرف عبادت کا موضوع علماء سے پوچھا، اس میں راہنمائی حاصل کی، آج ہماری سو فیصد عبادت نماز، روزہ حج، زکوۃ تو قرآن وحدیث کے مطابق ہے لیکن باقی ساری زندگی دین سے کٹی ہوئی ہے۔ ہمارے ذہنوں میں عبادت کا مفہوم صرف نماز، روزہ تک ہے۔ حالانکہ ایک مسلمان کا ہر فعل عبادت ہوسکتا ہے اگر وہ شریعت کے مطابق ہو۔ لوگوں کا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ مولوی یا علماء تنگ نظر ہوتے ہیں۔

میں نے جب اس موضوع پر کتاب لکھنی شروع کی تو شروع شروع میں یورپین مصنفین کی کتب اور ان کی ریسرچ کو گہری نظر سے دیکھا لیکن مجھے ذرا بھی اطمینان نہیں ہوا ان کی ساری نالج غیر مستند اور نا قابل اعتبار نظر آئی ان کی ساری کی ساری باتیں ہوائی فائرنگ کی طرح لگیں۔ وہ دلائل سے خالی، علم سے بے بہرہ ہیں۔ (پہلے میرا بھی یہی خیال تھا کہ وہ ہم سے کہیں زیادہ ''کشادہ ذہنیت'' رکھتے ہیں)۔ یہاں سے ناامید ہوکر میں علماء کی کتب کی طرف آیا۔ اور مجھے ہر بات کا جوب ملا۔

جب میں نے مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ملفوظات اور ان کی کتابوں کو دیکھا تو پتہ چلا کہ تنگ نظری علماء میں نہیں بلکہ ہمارے اندر ہے، ماں باپ کو کس نے روکا ہے کہ بچوں سے اس قسم کی باتیں نہ کریں؟ جنس کے مسائل ان کو نہ بتائیں جائیں، تین تین گھنٹے ٹی وی اور فلم دیکھنے کو ہم فحاشی میں داخل نہیں کرتے لیکن ان باتوں کو گندی باتیں قرار دے کر سائڈ پر ہوجاتے ہیں۔ حالانکہ دوسری جانب فقہی کتابیں ان

مسائل سے بھری پڑی ہیں ہزاروں لاکھوں اسلامی کتابیں ان موضوعات پر لکھی جا چکی ہیں۔ پھر تنگ نظر علماء ہوئے یا ہم؟

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ فقہ میں گندی باتیں ہیں ان کی کم علمی اور کم فہمی پر ماتم کرنے کو دل چاہتا ہے۔ اسلام کے قلعوں کو ہم خود ڈھاتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ فرقہ واریت مولوی پھیلا رہے ہیں۔ کتنے افسوس کی بات ہے علم دین کو ہم نے بذات خود نماز، روزہ تک محدود کیا ہے۔ خود مفتی اور ڈاکٹر بن کر دوسروں کو غلط سلط مشورے دیتے ہیں۔ ہر کوئی یہ چاہتا ہے کہ میں کسی بڑے سے بڑے عالم دین تک کی بات نہ سنوں بلکہ لوگ مجھے سنیں۔ ہمارے مرشد فرماتے ہیں کہ جس طرح آپ اچھا ڈاکٹر ڈھونڈتے ہیں، اچھا ٹیچر تلاش کرتے ہیں اس ہی طرح اچھا عالم بھی ڈھونڈیں تاکہ دین کے معاملے میں وہ آپ کی راہنمائی فرمائے۔

ہمارے معاشرے میں جنسی بے راہ روی، جیسے ہم جنسیت روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ فحاشی اور عریانیت کا ایک سیلاب آیا ہوا ہے۔ لڑکے تو لڑکے، لڑکیاں بھی ''آپے سے باہر نظر آتی ہیں'' ہر کوئی جنسی جنونی بنا ہوا ہے۔ اس ہی بات کے پیش نظر میں نے یہ کتاب لکھنے کے لیے قلم اٹھایا۔ اس کتاب کو ترتیب دیتے وقت جو خبریں مجھ تک پہنچیں میں نے انہیں کتاب میں شامل کر دیا۔

یہاں پر ایک بات نوٹ کر لیں کہ اس کتاب کو ہر خاص و عام نہ پڑھے۔ والدین، شادی شدہ افراد یا وہ افراد جن کو اس قسم کے مسائل درپیش ہیں وہ پڑھیں۔ یہ بہتر نہیں کہ ایک سولہ سترہ سالہ لڑکا یہ کتاب پڑھے۔ ہاں کسی مسئلے کی صورت میں پڑھی جا سکتی ہے۔ تھانوی صاحبؒ فرماتے تھے کہ ہر کتاب ہر ایک کے پڑھنے کے لئے نہیں ہوتی۔

احقر دانش آفتاب

لواطت

لواطت (sodomy)، اغلام بازی کیا ہے؟

مرد سے مرد کا جنسی تسکین حاصل کرنا، اس کے پچھلے حصے میں جماع کرنا لواطت کہلاتا ہے۔ (اگر کسی عورت کی غیر شرمگاہ میں جماع کیا جائے تو یہ فعل بھی لواطت کہلائے گا)۔ لواطت ایک بڑا گناہ ہے۔ یہ فعل عقلاً، طبعاً اور شرعاً ہر لحاظ سے مذموم ہے۔

حضورﷺ کا ارشاد ہے اللہ بزرگ و برتر اس آدمی پر نگاہ رحمت نہیں ڈالتا جو مرد یا عورت سے لواطت کرے۔ (مشکوۃ)

جس نے عورتوں سے لواطت کی اس نے کفر کا کام کیا۔ (مفتاح الخطابہ، ص ۲۱۷)

حضورﷺ کی ایک حدیث اس طرح بھی ہے:

ان اخوف ما اخاف علیٰ امتی عمل قوم لوط۔ (جمع الفوائد، ص ۲۸۹، جلد ۲)

سب سے زیادہ خوفناک چیز جس سے میں اپنی امت کے حق میں خوف زدہ ہوں وہ قوم لوط کا عمل ہے۔

فعل بد، لواطت، اغلام بازی (sodomy) کی ابتداء:

قرآن کی آیات اس بات پر شاہد ہیں کہ اس فعل کی ابتداء حضرت لوطؑ کی قوم سے ہوئی اس سے پہلے یہ کام کسی نے نہیں کیا تھا سے۔ تقریباً دس سورتوں میں اس قوم کا تذکرہ ہے۔ لیکن بعض محققین کا خیال ہے کہ ہوسکتا ہے یہ پہلے سے ہو لیکن اجتماعی گناہ کے طور پر نہ ہو۔

میں ان دونوں باتوں کو اس طرح جمع کرتا ہوں کہ ہم جنسیت پائی جاتی ہوگی لیکن اس خاص فعل یعنی لواطت کا ارتکاب سب سے پہلے حضرت لوطؑ کی قوم نے کیا (اس معاملے میں اگر علماء اور محققین رہنمائی فرمائیں تو مشکور رہونگا)

اپنے مرشد سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ ”میرے خیال میں یہ برائی قوم لوط سے پہلے نہیں تھی۔“ یعنی صاف انکار نہیں کیا

ہم یہ بھی قیاس کرسکتے ہیں کہ جس طرح حضرت شعیبؑ کی قوم میں یہ خرابی تھی کہ وہ لوگ ناپ تول میں ڈنڈی مارتے تھے اس لئے ان پر عذاب آیا، یہ برائی حضرت شعیبؑ کی قوم سے پہلے بھی لوگوں میں ہوگی

لیکن آپؑ کی ساری کی ساری قوم اس برائی میں ملوث ہوگی۔ ہوسکتا ہے کہ اسی طرح ہم جنسیت بھی کسی نہ کسی درجے میں پائی جاتی ہو، لیکن پوری قوم جو بالحاظ مجموعی اس فعل کا کھلم کھلا ارتکاب کرتی تھی وہ قوم لوط تھی۔ (واللہ اعلم)

ہمارا معاشرہ:

ہمارے معاشرے میں یہ برائی بڑھتی جارہی ہے آئے روز ایسی خبریں سننے یا دیکھنے کو ملتی ہیں۔

میں نے آج کے دن (۹ دسمبر ۲۰۰۶) صبح کے وقت ایک اخبار میں یہ خبر پڑھی:

بھائی پھیرو، پتوکی قصور (نمائندہ گان خبریں بیورو رپورٹ) دوسری جماعت کے طالب علم کو زیادتی کے بعد قتل کردیا گیا۔ لاش ۱۷ روز بعد برآمد ہوگئی۔ نا قابل شناخت اور کیڑے چلتی لاش اٹھانے سے پولیس نے انکار کردیا۔ تفصیل کے مطابق نواحی گاؤں بلو کی کا آٹھ سالہ عثمان ۲۱ نومبر کی شام کھیلنے گھر سے گیا مگر واپس نہ آنے پر والدین نے پولیس اسٹیشن سے رابطہ کیا مگر پولیس نے تعاون نہ کیا۔ آخر مسلسل احتجاج پر ۲۵ نومبر کو بچے کی گمشدگی کی رپٹ درج کر کے ورثاء کو ٹرخا دیا گیا۔ عثمان کے والد محمد اکرم نے مشکوک لڑکوں کو گرفتار کروادیا مگر پولیس نذرانے لے کر انھیں چھوڑتی رہی۔ گزشتہ روز کماد کے کھیت سے بدبو آنے پر اہل دیہہ نے جاکے دیکھا تو وہاں آٹھ سالہ عثمان کی نا قابل شناخت برہنہ لاش پڑی تھی۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق عثمان کو زیادتی کے بعد قتل کیا گیا ہے۔ مقتول کے والدین نے پھر پولیس سے رابطہ کیا تو پولیس نے کیڑے چلتی لاش اٹھانے سے صاف انکار کردیا۔ آخر لوگوں کے شدید احتجاج پر پولیس وین میں لاش کو ہسپتال پہنچایا گیا۔ بیٹے کی لاش دیکھ کر والدین پر غشی کے دورے پڑتے رہے۔ اہل علاقہ نے ملزموں کی فوری گرفتاری کا مطالبہ کیا گزشتہ روز بچے کی تدفین کے موقع پر خبریں ٹیم سے گفتگو کرتے ہوئے محمد اسلم بھٹی نے کہا کہ ان کے بچے کے ساتھ سفاک قاتلوں نے زیادتی کی اور اسے قتل کردیا۔ پولیس کو اطلاع دی گئی مگر پولیس نے کچھ نہ کیا۔ چودھری عبدالغفور، منظور احمد فوجی، سردار افتخار احمد ڈوگر نے کہا کہ سترہ روز تک مظلوم خاندان اپنے جگر گوشے کی تلاش کے لیے سرگرداں رہا مگر پولیس نے اطلاع پر بھی کوئی کاروائی نہ کی۔ ملزمان پکڑ کر چھوڑ دیے حتیٰ کہ لاش اٹھانے سے بھی انکار کیا۔ چودھری محمد اکبر ایڈوکیٹ اور چودھری فاروق نے کہا کہ مقامی پولیس نے ایف آئی آر لکھتے وقت مدعیوں سے زیادتی کی ہے۔ اور مدعیوں کو جو

ان پڑھ تھے سے ایف آئی آر پر انگھوٹے لگوا کر ملزمان کو بچانے کی کوشش کی ہے۔انہوں نے کہا مقتول کے ورثاء کو انصاف ملنا چاہیے۔(روزنامہ خبریں)

اس طرح کی خبریں آروز اخبار میں چھپتی رہتی ہیں لیکن کسی کے کان پر جوں تک نہیں رنگتی۔یکم اپریل ۲۰۰۴ کی ایک حولناک خبر ملاحظہ فرمائیں:

راولپنڈی (واقع نگار) سنٹرل جیل اڈیالہ میں بند حوالاتی نے باتھ روم میں اپنا آزاد بند سے پھندا بنا کر گلے میں ڈال کر خودکشی کر لی۔تفصیلات کے مطابق تھانہ گولڑہ شریف میں نے چھ مئی ۲۰۰۳ء کو مقدمہ درج کرواتے ہوئے بتایا کہ میرے والد نے سات سال قبل میری والدہ کو طلاق دے دی تھی۔اور مجھے اور چھوٹے بھائی کو ٹین مرکز اسلام آباد مین ہیئر ڈریسر کی دکان ٹھیکے پر لے کر یہاں لے آیا اور میرا والد رات کے وقت فلیٹ میں ہم دونوں بھائیوں کے ساتھ زبردستی بدفعلی کرتا تھا۔اور دھمکی دیتا تھا کہ کسی کو بتایا تو جان سے ماردونگا۔میرے رونے کی آواز سن کر ایک شخص اندر فلیٹ میں آ گیا اس طرح سارا ماجرا کھل گیا اور مارکیٹ کے دکان دار بھی اکھٹے ہو گئے جس پر ریسکیو ون فائیو کے ذریعے ملزم کو گرفتار کر کے اس کے بیٹے کی درخواست پر مقدمہ درج کر کے جوڈیشنل ایس ریمانڈ پر اڈیالہ جیل بھیج دیا تھا۔لیکن چندروز قبل اسلام آباد میں عدالت میں اس کے بیٹے نے اپنے باپ کے خلاف گواہی دی جس پر ملزم سخت دلبرداشتہ ہو گیا اور جیل کے اندر باتھ روم میں اپنے آزاد بند سے پھندا گلے میں ڈال کر خودکشی کر کے ہلاک ہو گیا۔(یکم اپریل ۲۰۰۴،)

ہم جنسیت (Homosexuality) کیا ہے؟

ہم جنسیت (Homosexuality) کی تعریف (Defination) ہم اس طرح بھی کر سکتے ہیں کہ یہ ہر انسان میں پائی جاتی ہے لیکن خوابیدہ یا سوئی ہوئی ہوتی ہے۔ بعض عوامل یا عناصر اس چیز کو جگا دیتے ہیں اور پھر وہ فرد ہم جنس پرستوں (Homosexuals) کی فہرست میں شامل ہو جاتا ہے۔ ایک خوبصورت لڑکے کو دیکھ کر شہوت (Sex) کا حرکت میں آنا کوئی غیر معمولی بات نہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کسی آدمی کو شہوت نہ ہو اور کسی کو ہو۔ ان دونوں افراد میں فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے شخص میں یہ جذبہ متحرک (Activate) ہے جبکہ دوسرے شخص میں یہ غیر متحرک ہو یا پھر اس کو اس بات کا ادراک نہیں (He is not awared)۔ محققین کی یہ رائے ہے کہ "اگر کوئی شخص یہ دعوہ کرے کہ کسی بھی خوبصورت لڑکے کو دیکھ کر میری شہوت حرکت میں نہیں آتی تو وہ جھوٹا ہے۔"

آپ لازمی طور پر میری ان باتوں سے مخالفت کریں گے لیکن اگر "ہم جنسیت (Homosexuality)" کی اس وضاحت پر غور کیا جائے جو میں نے کی ہے تو پھر آپ کی مخالفت بیجا ہے۔ اب آپ کہیں گے کہ اگر ہم جنسیت ہر فرد میں پائی جاتی ہے تو پھر تو یہ ایک فطری بات ہوئی؟ تو میں اس کا جواب یہ دونگا کہ ہم جنسیت ہرگز فطری چیز نہیں بلکہ یہ ایک غیر فطری چیز ہے۔ چلیں اس بات کو ایک مثال کے ذریعے سمجھتے ہیں: "انسانی گوشت کھانے کی خواہش ہر انسان میں پائی جاتی ہے"۔ لیکن کچھ لوگوں میں یہ خواہش متحرک ہوتی ہے اور اکثر میں غیر متحرک یا خوابیدہ ہوتی ہے اور بعض عوامل (Factors) اسے جگا دیتے ہیں۔ اب اس بات کی کیا دلیل کہ یہ خواہش ہر انسان میں پائی جاتی ہے؟ اور بعض عوامل اسے جگا دیتے ہیں۔ تو اس بات کی دلیل یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو کئی دن بھوکا رکھا جائے اور پھر اس کے سامنے انسانی گوشت لایا جائے تو عین ممکن ہے کہ وہ یہ گوشت کھالے۔ اس ہی طرح اگر کوئی شخص آدم خور انسانوں کے ساتھ رہنا شروع کر دے تو اس کو انسانی گوشت کھانے کی لت پڑ سکتی ہے۔ اور یہ بات ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ انسانی گوشت کھانا ایک غیر فطری بات ہے۔ بالکل اس ہی طرح ہم جنسیت ایک غیر فطری بات ہے۔ لیکن بعض لوگوں میں یہ پائی جاتی ہے اور ہر شخص میں یہ متحرک (Activate) ہو سکتی ہے۔

اگر آپ میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ آپ میری کتاب پڑھ سکتے ہیں (یعنی آپ کوئی بہت چھوٹے نہیں ہیں) تو آپ نے اپنی زندگی میں یہ الفاظ یقیناً کہے ہونگے: "یہ لڑکا بالکل لڑکیوں کی طرح ہے" یا اگر کہے نہیں تو ان الفاظ کی تائید کی ہوگی، اگر یہ بھی نہیں تو دل میں خیال تو ضرور آیا ہوگا (یہ سب باتیں میں اس لیے نہیں کرر ہا کہ آپ کو ہم جنس پرست قرار دے دوں)۔ جب کچھ لڑکے، لڑکیوں کی طرح نظر آسکتے ہیں تو پھر اس بات سے کیسے انکار کیا جاسکتا ہے کہ کسی لڑکے کو دیکھ کر شہوت کا سر اٹھانا ممکن ہی نہیں۔ اس کی ایک اور دلیل یہ کہ جب کسی لڑکی کو دیکھ کر شہوت پیدا ہوتی ہے تو لڑکے کو دیکھ کر بھی ہو سکتی ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ دیکھنے والے کی نظر میں وہ لڑکا لڑکیوں کی طرح ہو!

ان باتوں کا مقصد یہ بات سمجھانا ہے کہ ہم جنسیت (Homosexuality) کی کچھ نہ کچھ حقیقت ضرور ہے۔ اس مسئلے سے آنکھیں چرانے سے حقیقت نہیں بدل سکتی۔ اصل میں کسی بھی مسئلہ کا حل صرف اس ہی صورت میں ممکن ہے کہ اس کو واقعی مسئلہ سمجھا جائے۔

ماہر جنسیات اس کی وضاحت کچھ اس طرح بھی کرتے ہیں:

<u>پے ڈوفائلس (Pedophile):</u>

ایسے حضرات جو بچوں کی جانب جنسی رجحان رکھتے ہوں انہیں پے ڈوفائلس (Pedophile) کہا جاتا ہے۔

<u>فی بوفیلیا (Ephibophilia) :</u>

ایک ایسی حالت کو کہتے ہیں جس میں ایک بالغ شخص ایسے بچوں کی طرف جنسی رجحان رکھے جو کہ قریب البلوغ ہوں۔ یہ حالت زیادہ تر مرد افراد میں پائی جاتی ہے۔

<u>ہے بی فلیا (Hebephlia):</u>

ایسی حالت جس میں ایک بالغ شخص ایسے لڑکوں کی طرف جنسی رجحان رکھتا ہو جو بالغ ہو چکے ہوں (یعنی 14 سے 17 سال تک کے لڑکے)۔ اس کیفیت کا تعلق بھی زیادہ تر مرد حضرات سے ہے۔

لڑکے اور لڑکی میں فرق:

ایک بار مجھے ایک میٹنگ میں جانے کا اتفاق ہوا وہاں پر بلوغت کے ٹاپک پر بحث چل رہی تھی ایک سرکاری محکمہ کے افسر نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے ایک بڑا اہم جملہ کہا کہ "جب بچیاں جوان ہو رہی ہوتی ہیں تو ان میں نسوانیت آنا شروع ہو جاتی ہے، اور جب لڑکے جوان ہوتے ہیں تو ان میں سے نسوانیت جا رہی ہوتی ہے"۔

اس بات سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ لڑکوں کی عمر میں ایک وقت ایسا آتا ہے جب ان میں نسوانیت کے اثرات ہوتے ہیں اور مرد حضرات ان سے متاثر ہو سکتے ہیں اس ہی عمر کے لڑکوں کے لئے "امرد" کی اصطلاح بولی جاتی ہے۔

لڑکے اور لڑکی کے چہرہ میں فرق کرنے والی واحد چیز داڑھی ہے اس ہی لیے میں کہتا ہوں کے امرد (beardless person) سے عشق ہونا کوئی انہونی یا ناقابل یقین بات نہیں لیکن یہاں پر ایک بات واضح کرنا بہت ضروری ہے کہ امرد کا اطلاق کن لڑکوں یا بچوں پر ہوتا ہے؟ دس گیارہ سال کی عمر سے اٹھارہ انیس سال کے ہر اس لڑکے کو امرد کہا جائے گا جس کی داڑھی نہ نکلی ہو۔ میں اس تعریف

defination)

) میں مزید اضافہ کروں گا کہ امرد کا اطلاق ہر اس لڑکے پر ہوگا جس کی عمر دس یا دس سے زیادہ ہو اور اس کی داڑھی نہ آئی ہو، یا آئی تو ہو مگر وہ شیو کرتا ہو۔ اگر اس بات کو لیا جائے تو چوبیس پچیس سال کا لڑکا بھی بعض صورتوں میں امرد کہلائے گا۔ فقہ کہ لحاظ سے اس کی تعریف یہ ہے کہ "لڑکے کی مونچھیں نکل رہی ہوں اور داڑھی نہ آئی ہو وہ امرد ہے۔"

لڑکے کے لیے بلوغت کی حد پندرہ سال ہے یعنی پندرہ سال تک لڑکا لازماً بالغ ہو جائے گا اور بارہ سال کی عمر میں بھی ہو سکتا ہے۔ (اگر کسی لڑکے میں بلوغ کی کوئی نشانی بھی نمودار نہ ہو اور اس کی عمر پندرہ سال ہو جائے تو شرعی اعتبار سے وہ لڑکا بالغ تصور کیا جائے گا۔)

قریب البلوغ لڑکے یا ایسے لڑکے جو نئے نئے بالغ ہوں وہ ہم جنس پرستی کا زیادہ شکار ہو سکتے ہیں۔ یہ بات اس طرح بھی کی جا سکتی ہے کہ ایک تیرہ چودہ سال کا لڑکا ایک سات آٹھ سال کے بچے سے

زیادہ کشش رکھتا ہے۔

دوستی اور عشق میں فرق:

مجھے تمہاری یاد آتی ہے، میں تمہیں پسند کرتا ہوں، میں تمہاری خاطر سب کچھ کر سکتا ہوں، تمہاری شکل میرے چھوٹے بھائی، بھانجی، بیٹی یا بیٹے سے ملتی ہے، مجھے نیند میں بھی تمہارے خیالات آتے ہیں تمہیں دیکھ کر مجھے سکون ملتا ہے، تمہاری وجہ سے میں دینی کام بھی شوق سے انجام دیتا ہوں، اگر تمہیں نہ دیکھوں یا تم سے نہ ملوں تو طبیعت بے چین رہتی ہے، میں چاہتا ہوں ہم ایک دن اکٹھا گزاریں، تم میرے گھر آؤ یا میں تمہارے گھر آجاتا ہوں، اگر تمہارے موبائل میں بیلنس نہیں تو میں ڈلوا کر دے دیتا ہوں پھر دونوں باتیں کریں گے، میں فلانے شہر جا رہا ہوں وہاں سے تمہارے لیے کیا لے کر آؤں .. .. سن لیجیے!
یہ کسی دوست کے الفاظ ہونا تقریباً ناممکن ہے۔ یہ دوست نہیں

بلکہ عاشق ہے، یا پھر خطرہ ہے کہ یہ عشق میں مبتلا ہو جائے گا اور واضح رہے کہ عشق حرام ہے اور اس کی حرمت بدرجہ اولیٰ ہو جاتی ہے کہ جب یہ اپنے ہم جنس سے ہو اس طرح کی دوستیاں بڑے بڑے فتنوں کو جنم دیتی ہیں۔ جیسے لیسبین ازم (Lesbianism) یا گے ازم (Gayism) وغیرہ۔

حال ہی میں اے ٹی وی پر نشر ہونے والے ایک پروگرام میں ایک عاشق و معشوق کا سچا واقعہ بیان کیا گیا اس واقعہ میں عاشق اور معشوق، دونوں لڑکے ہیں۔ پنجاب کے ایک علاقے میں یہ افسوس ناک واقعہ رونما ہوا اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ نامی لڑکا جس کی عمر تقریباً بائیس سال ہوگی، اپنے سے چھوٹی عمر کے ایک لڑکے کا عاشق ہو گیا اور اس کو اپنے دوست کے ساتھ مل کر قتل کر دیا اس نے یہ بات باقاعدہ تسلیم کی ہے اور کہا ہے کہ میں اس سے سچی محبت کرتا تھا۔ میں کسی کی ماں، بہن یا بیٹی کی طرف نہیں دیکھتا تھا، میں نے اس کی خاطر بہت کچھ کیا یہاں تک کہ اپنی نوکری چھوڑ دی اور دوسری مشکلات بھی برداشت کیں۔ قاتل نے قتل کرنے کی وجہ یہ بتائی کہ میں نے اس کو (یعنی اپنے معشوق) کو فلاں شخص کے ساتھ تعلق بڑھانے سے روکا لیکن اس نے میری بات نہیں مانی اس لیے میں نے اس کو قتل کر دیا۔ مجھے اپنے کیے پر کوئی پچھتاوا یا افسوس نہیں ہے۔

مقتول ایک درمیانے طبقہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کے والد نے اسے مدرسے میں داخل کرایا تھا۔ قاتل نے

بتایا کہ وہ مدرسے نہیں جاتا تھا بلکہ ادھر ادھر آوارہ گردی کرتا تھا۔ میں نے اس کو باہر نکلنے سے منع کیا اور اپنی ہر قسم کی مدد کا یقین دلایا۔ نے یہ بھی بتایا کہ میں نے ایک دفعہ خود اس کو گھر پر لا کر چھوڑا تھا۔ مقتول کے دوستوں کا بھی یہی بیان تھا کہ وہ مدرسے سے بھاگ کر آوارہ گردی کرتا تھا۔

اس ہی پروگرام کی ایک اور قسط میں دو لڑکوں کو بدفعلی کے بعد قتل کرنے کا واقعہ بھی بیان کیا گیا لڑکوں کی عمریں ۱۳ سے ۱۵ کے درمیان تھیں۔ قاتل کی عمر تقریباً ۳۵ سال تھی۔ اور غیر شادی شدہ تھا۔ قاتل اپنے ایک ساتھی کی مدد سے تین لڑکوں کو بہانے سے ایک ویران جگہ پر لے گیا، ان کے ساتھ بدفعلی کی اور پھر انھیں گلا گھونٹ کر مار دیا۔ ان تین لڑکوں میں سے ایک لڑکا بھاگنے میں کامیاب ہوگیا، پولیس قاتل کے ساتھی کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہوگئی۔

<u>دوستی یا عاشقی؟</u>

اگر ایک چوبیس پچیس سالہ لڑکا ایک ۱۷، ۱۸ سال کے لڑکے کو یہ کہے کہ میں نے تمہارے ساتھ کھانا کھانا ہے یا میں نے تمہارے ساتھ "ڈنر" کرنا ہے تو یہ ایک انتہائی عجیب سی بات ہوگی کیونکہ ۱۷، ۱۸ سالہ لڑکا کے سوچنے کا انداز، اس کے ذہن کی پختگی کسی طرح بھی چوبیس پچیس سالہ لڑکے سے میل نہیں کھاتی کیونکہ وہ اس کا ہم عمر نہیں یا دوسرے الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ اس کی ایج گروپ (Age group) کا نہیں اور دوستی اپنے ہم عصروں یا اپنی ایج گروپ کے لڑکوں میں ہوتی ہے۔

یہ جو چوبیس پچیس سالہ شخص ہے اس کو اپنے سے چھوٹی عمر کے لڑکے سے دوستی کرنے کی کیا ضرورت؟ کیا اس کو اپنے ہم عمر دوست نہیں ملے؟ جن کے ساتھ وہ گپ شپ لگا سکے۔ دوستی تو آپس کی ذہنی ہم آہنگی کا نام ہے، اور یہ ایک دم ہونے والی چیز ہے، اس کے لیے کوئی پلاننگ یا منصوبہ بندی نہیں کی جاتی کہ میں فلانے لڑکے سے دوستی کروں گا، اس کے ساتھ چائے پانی پیوں گا، اس کی دعوت کروں گا یا اس کو کوئی "گفٹ" دونگا۔ کیا آپ نے کبھی اس طرح سے دوستی کی ہے؟ دوستی اس طرح ہوتی ہے؟! اگر کوئی شخص اس قسم کی حرکتیں کر رہا ہے تو اس کے دو تین مقاصد ہو سکتے ہیں، اول یہ کہ وہ اس لڑکے سے کسی قسم کا دنیاوی فائدہ (مثلاً گاڑی یا پیسے وغیرہ) حاصل کرنا چاہتا ہے۔ دوم وہ اس کو اپنے نظریات یا اپنی جماعت کی طرف لانے کے لیے یہ سب کر رہا ہے۔ سوم یہ کہ اس کا مقصد اس لڑکے سے جنسی تسکین حاصل کرنا ہے۔ اور شائد

اس دوستی کرنے والے کو اس بات کا ادراک بھی نہ ہو۔ وہ خود یہ سمجھنے ہی نہ پائے کہ اس نے کب اور کس موقع پر اس سے باتوں باتوں میں یا اس کے نزدیک آ کر یا اس کی صورت دیکھ کر اس سے ذہنی جنسی تسکین حاصل کی ہے۔ ہاں! اس کے ذہن میں یہ بات ضرور ہوگی کہ فلانے لڑکے یا بچے کی موجودگی میں مجھے بہت سکون ملتا ہے، میں ایکسائٹڈ (Excited) یا بہت خوش ہو جاتا ہوں، میرے چہرے پر بھرپور مسکراہٹ آ جاتی ہے، میں بات بات پر چہکنے لگتا ہوں۔۔۔ وغیرہ وغیرہ۔ وہ شخص ان باتوں کو "اچھی دوستی" یا اچھے اور پاکیزہ جذبے کا نام دے گا۔ لیکن یہ جذبہ سب دوستوں یا ملنے والوں کے لیے کیوں نہیں؟ اس خاص لڑکے یا بچے کے لیے ہی کیوں اخلاص اپنے اعلیٰ درجے پر پہنچ جاتا ہے؟ باقی دوستوں کے لیے ایسے "مخلصانہ" جذبات کہاں چلے جاتے ہیں؟

میرے بھائی بہنو! یہ دوستی نہیں بلکہ عاشقی ہے! اور عاشقی حرام کاری کا دوسرا نام ہے۔ جس کا تیسرا نام آپ دوستی رکھنے لگے ہیں۔

<u>تنبیہ:</u>

جو حضرات تبلیغ دین کا کام کرتے ہیں یا شعبہ تدریس سے وابستہ ہیں ان کو بھی اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔ کیونکہ شیطان ہر سمت سے حملہ کرتا ہے۔ اگر کوئی بچہ یا بچی آپ کی نظر میں واقعی قابل توجہ ہے تو اس بات کا اطمینان کر لیا جائے کہ یہ کوئی شیطانی حملہ یا میرے نفس کی بھیانک چال تو نہیں؟

<u>بیکٹیریا یا وائرس:</u>

جب کوئی بیکٹیریا یا وائرس آپ کے جسم میں داخل ہوتا ہے تو آپ کو پتہ تک نہیں چلتا بالکل اسی طرح "محبت کے بیکٹیریا اور وائرس" انسانی دل و دماغ میں غیر محسوس طور پر داخل ہو جاتے ہیں گو ان کا اثر دیر سے ہو یا جلدی۔

اس بیہودہ محبت کے بارے میں مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں:

امرد (حسین لڑکوں) سے تعلق بہت ہی خبیث النفس کو ہوتا ہے۔ اور اس کا نام لوگوں نے محبت رکھا ہے۔ یہ محبت ہرگز پاک نہیں ایسے ناپاکوں کا مر جانا ہی بہتر ہے۔ (تحفۃ العلماء، جلد اول، ص ۲۲۴)

<u>پرسنالٹی (Personality) یا نفس انسانی کا مکر:</u>

ایک لڑکے میں مردانہ وجاہت بہت معمولی سی ہے۔ جسم نسوانیت کی طرف مائل ہے اٹھنے بیٹھنے کے انداز میں نزاکت پائی جاتی ہے، اب اگر اس لڑکے کے بارے میں کوئی یہ کہے کہ مجھے اس کی پرسنالٹی (Personality) اچھی لگتی ہے، تو غالب امکان یہ ہے کہ اس شخص کو متاثر کرنے والی چیز پرسنالٹی (Personality) نہ ہو بلکہ اس لڑکے کی خوبصورتی ہو جس کو دیکھنے کی وجہ سے اسے جنسی تسکین ملتی ہے اور وہ یہ کہتا پھرتا ہے کہ میں اس لڑکے کی ''پرسنالٹی'' سے بہت متاثر ہوں۔

یہاں یہ بات بھی واضح کرتا چلوں کہ جن لوگوں کی پرسنالٹی اچھی تصور کی جاتی ہے وہ دوسروں سے نسبتاً قوی ہوتے ہیں، ان میں سختی ہوتی ہے۔ اور مردانہ وجاہت بھی زیادہ ہوتی ہے۔ جیسے باڈی بلڈرز وغیرہ۔

تھانوی صاحبؒ کی تنبیہ:

شیطان بہکاتا ہے کہ جیسے کسی پھول، اچھے کپڑے، اچھے مکان وغیرہ کو دیکھنے کو جی (دل) چاہتا ہے ایسے ہی اچھی صورت دیکھنے کو بھی جی چاہتا ہے سو یہ بالکل دھوکہ ہے۔

آگے فرماتے ہیں یاد رکھو رغبت کی مختلف انواع (اقسام) ہیں جیسی رغبت (کشش) پھول کی طرف ہے ویسی انسان کی طرف نہیں ہوتی اچھے کپڑوں کو دیکھ کر یہ جی (دل) نہیں چاہتا کہ ان کو گلے لگالوں۔ (خطبات حکیم الامت، اصلاح ظاہر، ص ۱۴۲)

بدمعاش:

لفظ بدمعاش، ہم بچپن سے سنتے آرہے ہیں۔ ماضی میں بدمعاش کا لفظ سن کر ذہن میں ایک بہادر، بےباک اور بےخوف شخصیت کا تصور ابھرتا تھا اور ایک خوف پیدا ہوتا تھا۔ لیکن اب کسی بدمعاش کو دیکھ کر یا سن کر بہت افسوس ہوتا ہے۔ بدمعاش کا ذکر ادھر کرنے سے میرا مقصد آپ کو ایک راز کی بات بتانا ہے۔ یہ بدمعاش کون لوگ ہوتے ہیں؟ ایک شریف گھرانے کا لڑکا بدمعاش کیوں بن جاتا ہے؟

اصل میں جب لڑکا باہر نکلتا ہے غلط لوگوں میں اٹھتا بیٹھتا ہے تو وہ ایسے لوگوں کے ہاتھوں چڑھ جاتا ہے جو اس کو چرس، بھنگ شراب، سگریٹ وغیرہ کی عادت ڈلتے ہیں آہستہ آہستہ اس میں سے شرم اور غیرت رخصت ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ رات رات بھر باہر رہنا اور مختلف لوگوں کے ساتھ دن رات رہنا ان کے ساتھ سونا جاگنا اس کے لئے نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔ وہ لوگ مختلف بہانوں سے اسے جنسی تسکین کے

لئے استعمال کرتے ہیں، ضروری نہیں کہ وہ اس کے ساتھ لواطت ہی کریں اس کے علاوہ اور بھی طریقے ہیں جن سے وہ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اس لڑکے کو یہ احساس ہوجاتا ہے کہ یہ لوگ کبھی کبھی مجھے غلط نظروں سے دیکھتے ہیں لیکن وہ بجائے ان سے تعلق ختم کرنے سے ان کے اور قریب ہوتا ہے وہ اس چیز کا حل اخلاقی گراوٹ میں تلاش کرتا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ اگر یہ لوگ دن میں چار سگریٹ پیتے ہیں تو میں آٹھ پیا کروں گا، اگر یہ ہفتے میں ایک دفعہ شراب یا چرس پیتے ہیں تو میں روز پیا کروں گا اس طرح وہ دن بادن اخلاقی گراوٹ کا شکار ہوتا رہتا ہے۔ وہ یہی سمجھتا ہے کہ مجھ میں کوئی کمی ہے، میں ابھی زیر تربیت ہوں، اس لئے وہ یہ باتیں برداشت کرتا رہتا ہے۔ اسکے ذہن میں یہ بات بھی آتی ہے کہ میرے ساتھ ان کا برتاؤ ایسا کیوں ہوجاتا ہے کہ جیسے میں کوئی لڑکی ہوں۔

اس کے دل میں ایک انتقام کی آگ بھڑک جاتی ہے لیکن وہ اس کا بدلہ ان سے نہیں لیتا بلکہ معاشرے کے دوسرے افراد کو اپنے تشدد کا نشانہ

بناتا ہے۔ جب اس کے پاس اتنی طاقت آجاتی ہے کہ وہ ان لڑکوں کا مقابلہ کرسکے تو وہ دوسرے لڑکوں کی مدد سے ان سے لڑائی کرتا ہے اور عموماً لوگ یہ سمجھ ہی نہیں پاتے کہ ”ان میں لڑائی ہوئی کیوں تھی۔“

اس کو اس بات کی فکر ہوتی ہے کہ میں اپنے آپ کو مرد کیسے ثابت کروں؟ وہ وقتاً فوقتاً اپنے آپ کو ”مرد“ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ دوسروں سے لڑتا ہے، اپنے سے بڑی عمر کے لڑکے کو مار کر خوش ہوتا ہے، چوری چکاری کرتا ہے، لڑکیوں سے غیر اخلاقی حرکتیں کرکے خوش ہوتا ہے۔ اس کے ذہن میں یہ بات بیٹھ جاتی ہے کہ صحیح معنوں میں ”بدمعاش“ بننے کے لئے ان ساری باتوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ یوں ایک لڑکا بدمعاشی کے شیطانی چکر میں پھنس جاتا ہے، وہ معاشرے کے لئے ایک عذاب بن جاتا ہے اپنی شخصیت سے ہر دوسرے شخص کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اصل میں یہی وہ بات ہے جو میں آپ کو سمجھانا چاہ رہا تھا، یعنی ”بدمعاشی“ اور ”جنسی استحصال“ کا آپس میں کتنا گہرا تعلق ہے۔

جو واقعی مرد اور بہادر ہوتا ہے وہ لڑائی جھگڑے سے حتی الامکان اجتناب کرتا ہے۔ اس کو کوئی ضرورت نہیں ہوتی کہ اپنے محلے والوں سے ”بہادری کا سرٹیفکٹ“ جاری کروائے ایک شریف شخص نہ تو بدمعاش ہوتا ہے نہ بزدل نہ ڈرپوک اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر وقت کسی نہ کسی سے دست وگریباں رہے۔ وہ ایک باوقار

شخصیت کا مالک ہوتا ہے۔

اگر آپ کا بچہ اپنے ہی ہم عمر دوست بنائے گا تو اسے کسی قسم کے نقصان کا اندیشہ نہیں ہوگا۔

مسئلہ تب درپیش ہوتا ہے کہ آپ کے بچے کی دوستی اپنے سے بڑی عمر کے لڑکوں سے ہو۔ مثلاً اس کی عمر بارہ سال ہے لیکن اس کے دوست کی عمر سولہ یا ۱۷ سال ہے۔

بدمعاش بننے کا شوق اکثر بچوں کو لے ڈوبتا ہے۔ بچوں کو دکھائی جانے والی فلمیں اس قسم کا بھیانک شوق ان کے دلوں میں پیدا کرتی ہیں۔ میرے خیال میں اگر آپ اپنے بچے کو دودھاری خنجر دلا کر دے دیں تو اس کو اس سے کم خطرہ ہے۔ لیکن دو یا تین گھنٹے کی انڈین مووی اس کی زندگی میں زہر گھول سکتی ہے۔ انڈین موویز بدمعاشی کی بہت حوصلہ افزائی کرتی ہیں (ان فلموں میں بدمعاشی کو بہت پروموٹ (Promote) کیا جاتا ہے)۔ عمومی طور پر ان فلموں میں اس طرح کے فضول نظریات کا پرچار کیا جاتا ہے کہ: ایک بدمعاش شخص ہی زندگی کی حقیقت کو پہچان سکتا ہے، نیک بننے سے پہلے بدمعاشی کا سرٹیفکٹ لینا بہت ضروری ہے، سگریٹ، چرس، شراب پہلے پی جائے، پھر بعد میں نیک بنا جائے۔ فلم کا ہیرو ایک بدنام زمانہ، چور اور شرابی کو بنایا جاتا ہے۔۔ ۔۔۔ ۔ پھر ان کی زندگی میں ایک لڑکی آتی ہے اور وہ بہت "نیک" ہو جاتے ہیں۔

ان فلموں میں نیکی کا معیار بھی ذرا ملاحظہ فرمائیں: ایک نیک شخص وہ ہے جو ایک لڑکی کے پیچھے اپنا دین ایمان بیچ دے، اسکول کالج کی پڑھائی کو لات مار کر "ظالم معاشرے کے خلاف اٹھ کھڑا ہو"، ضرورت پڑنے پر اپنے سگے باپ یا لڑکی کے باپ کی ٹھیک ٹھاک پٹائی کرے، کئی لوگوں کو اپنی محبت کے پیچھے قتل کر دے، اس کے علاوہ اپنے سگے بھائی کو قتل کرنا یا "محبت" کی خاطر لڑکی کے بھائی یا باپ کو موت کے گھاٹ اتارنا یا خود اپنی جان دے دینا بہت نیک کام ہے۔

بدمعاشی کا شوق ایک بچے کو غلاظت کے اڈوں پر لیجاتا ہے، جیسے وڈیو گیمز کی دکانیں، سنوکر یا بلیرڈ کلب، سینما ہال وغیرہ ایسی جگہوں پر عموماً دنیا کے ٹھکرائے ہوئے شہوت پرست اور بدنام زمانہ لوگ موجود ہوتے ہیں۔ ایک معصوم بچہ یا چھوٹا لڑکا جب ان کمینہ صفت لڑکوں کو دیکھتا ہے، جو بظاہر ہر غم سے آزاد نظر آتے ہیں، پڑھائی کی کوئی ٹینشن نہیں، رات کو گھر جانے کا کوئی وقت مقرر نہیں، سارا سارا دن موج مستی میں گزارنے

والے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اگر کوئی غم ہے بھی تو ایک "لڑکی" کا۔ اب بچے کو وہ لوگ مل چکے ہیں جو صحیح معنوں میں دنیا کے "کامیاب لوگ" ہیں۔ اب ہوتا یوں ہے کہ آپ کا بچہ انہیں اپنا آئڈیل (Ideal) بنالیتا ہے، اسکول سے بھاگنا، جھوٹ بولنا، چوری چکاری، سگریٹ اور چرس پینا، دوسروں سے لڑنا، اساتذہ سے بدتمیزی، نقل کو عقل سمجھنا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس طرح ایک بچے مصیبتوں میں گرفتار ہو کر گناہوں اور جرم کی دلدل میں دھنستا چلا جاتا ہے۔ اس کے ذہن میں یہ بات ہوتی ہے کہ اس کے ساتھ ظلم ہو رہا ہے جیسے کسی انڈین فلم کے ہیرو کے ساتھ ہو رہا ہوتا ہے۔ وہ بہت سی آسائشوں سے محروم ہے، اس کے پاس گاڑی موٹر سائکل نہیں۔ شہر سے باہر گھومنے کا خرچا اس کی جیب میں نہیں، اس نے ابھی تک دبئی، شارجہ، سوئزر لینڈ یا امریکہ کی شکل تک نہیں دیکھی۔ اس کا ذہن ان لڑکوں کی طرف راغب ہو جاتا ہے جو ہوٹلوں پر ادھار چائے پیتے ہیں، سو کر اور تاش پر جوا لگاتے ہیں۔ وہ ہر فکر سے آزاد ہیں۔ بچہ ان کو اپنا مسیحا سمجھ لیتا ہے۔ اٹھتی ہوئی جوانی ہوتی ہے۔ قدرت کے تحفے یعنی کسی لڑکی کا انتظار یا انتخاب شروع ہو جاتا ہے۔ بعض بچے جن کا میں نے خود مشاہدہ کیا جو میرے ساتھ پڑھتے رہے۔ قرآن کے ساتھ گزاری بچپن اور جوانی تک وہ ساتھ رہے ان میں سے بعض بچے نو دس سال یا اس سے بھی کم عمری میں لڑکیوں میں دلچسپی لینا شروع کر دیتے ہیں۔ ان میں "شاہ رخ خان" یا "سلمان خان" بننے کی فکر بچپن ہی سے دامن گیر ہو جاتی ہے۔ اس طرح کے بچوں یا لڑکوں کی یہ سوچ ہوتی ہے کہ "نیکی" کی تکمیل کے لیے کسی لڑکی کا ہونا بہت ضروری ہے۔ چاہے اس لڑکی کی عمر چھ سال ہی کیوں نہ ہو (اگر ہیرو کی عمر آٹھ سال ہے تو لڑکی کی عمر چھ، سات سال کیوں نہیں ہو سکتی!)

بعض جو چودہ ۱۵ سال کے ہوتے ہیں ان میں تو جوانی بھی آ چکی ہوتی ہے۔ اس لیے ان کے خیالات آسمان سے باتیں کرنے لگتے ہیں۔ لڑکی ملے یا نہ ملے البتہ اپنی عمر سے بڑے بڑے بدمعاش تو بہت آسانی سے مل جاتے ہیں۔ وہ ان کے ساتھ تعلقات بڑھانا شروع کر دیتا ہے ان کی "راہنمائی" اپنے لیے فخر کی بات سمجھتا ہے۔ ہوتے ہوتے ان گھٹیا، دین و دنیا سے دور، چرسی شرابی، شہوت پرست اور بے غیرت لڑکوں کے چنگل میں آ جاتا ہے۔ یہ لڑکے عموماً اس نویں دسویں یا فرسٹ ائیر کے لڑکے سے عمر میں بڑے ہوتے ہیں، بعض، ہم جنسیت کا شکار ہوتے ہیں اور بعض سستی عیاشی کے طور پر اس لڑکے سے منہ کالا کرتے ہیں۔ عموماً

اس عمر کے لڑکوں کے ساتھ یہ کام زبردستی نہیں ہوتا بلکہ یہ ہر طرف سے گھر چکے ہوتے ہیں بعض تو اس حد تک بے غیرت ہو جاتے ہیں اور بعض کے لیے تمام راستے بند ہو چکے ہوتے ہیں۔

روپے پیسے اور غنڈہ گردی کے پیچھے اپنا جسم بیچنا ان کا معمول بن جاتا ہے۔ پھر بعض لڑکے اس قبیح فعل میں مفعول بننے کے عادی ہو جاتے ہیں، وہ پیسے لے کر نہیں بلکہ پیسے دے کر اپنی خدمات مہیا کرتے ہیں۔ (اس بیماری کی کیا وجہ ہے اس کا ذکر آگے آئے گا)

جنسی سیاست:

کچھ حضرات ایسے بھی ہوتے ہیں جو نوخیز لڑکوں کو ایک سیاست کے ذریعے اپنے چنگل میں پھنساتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے آپ کو ('' گے ''، Gay) مشہور کر دیتے ہیں۔ ('' گے '' سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جو بغیر کسی فیس کے خوشی کے ساتھ اس کام میں مفعول بننے کا عادی ہوتا ہے)۔ یہ لوگ لڑکوں کی ایک بڑی تعداد کو اپنے پیچھے لگا لیتے ہیں۔ اس تعداد میں زیادہ تر وہ لڑکے ہوتے ہیں جنہیں '' بدمعاش '' بننے کا شوق ہوتا ہے۔ اس بات کو مشہور کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جو لڑکے انہیں پسند آتے ہیں یہ ان سے جنسی تسکین پوری کرتے ہیں اور اس دوران فاعل یا مفعول کا کردار ادا کرتے ہیں۔

کچھ خبریں:

آج ۲۶ جنوری ۲۰۰۷ ہے مجھے کل کے دن دو چار اخبار دیکھنے کا اتفاق ہوا دو اخباروں میں ایسی خبریں پڑھنے کو ملیں جو کافی افسوس ناک تھیں میں ان کو باری باری بیان کرتا ہوں:

تھانہ کوہسار پولیس نے بلوا ایریا (اسلام آباد) کے ملازم کے خلاف ۱۴ سالہ بچے کو ورغلا کر ہوس کا نشانہ بنانے کے الزام میں مقدمہ درج کر لیا۔ مسماۃ ام نے پولیس کو بتایا کہ ملزم جو بلوا ایریا میں ملازم ہے نے اس کے بیٹے (م،ش) کے ساتھ دوستی کی اور ورغلا کر گاڑی میں بٹھا کر لے گیا اور زبردستی بدفعلی کا نشانہ بنایا۔ پولیس نے ملزم کے خلاف مقدمہ درج کر کے گرفتاری کے لیے چھاپے مارنا شروع کر دیے۔ (۲۵ جنوری، ۲۰۰۷، روزنامہ اساس، راولپنڈی)

راولپنڈی خبر نگار تھانہ صادق آباد کے علاقے میں دو افراد نے 6 سالہ بچے کو زیادتی کا نشانہ بنا ڈالا۔ علی، سکنہ ڈھوک کالا خان نے پولیس کو بتایا کہ اس کے چھ سالہ بیٹے م کو ملزم اور نے زیادتی کا

نشانہ بنایا۔ پولیس نے مقدمہ درج کر کے تفتیش شروع کر دی۔ (روزنامہ ایکسپریس، ۲۵ جنوری، ۲۰۰۷)

بچوں کا ابتدائی جنسی طرزِ عمل (Initial sex behaviur of Children) :

بعض بچے جب بالکل نا سمجھ ہوتے ہیں تب ہی سے شہوت (Sex) کی طرف تھوڑی بہت رغبت دکھانا شروع کر دیتے ہیں۔ دو تین سال کی عمر میں یہ عادت دیکھی گئی کہ وہ اپنے عضوِ تناسل کو رگڑتے ہیں اور بعض بچوں میں یہی عادت آگے چل کر مشت زنی (Masturbation) کا سبب بنتی ہے۔ اس لیے مذہبی تعلیم ان کے اخلاق کے لیے بھی ضروری ہے اور اس میں سے جنس کے ٹاپک کو علیحدہ کر نا دین سے ناواقفیت ہے۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ جنسی معلومات نہ ہونے کی وجہ سے بھی اکثر بچے جنسی تشدد کا نشانہ بن جاتے ہیں۔ اس کی کچھ تفصیل بھی بتا دیتا ہوں۔ ہوتا یوں ہے کہ جب بچے جوان ہونا شروع ہو جاتے ہیں تو جنسی معلومات ان کی ضرورت بن جاتی ہے ،دنیا اور مذہب دونوں کے لحاظ سے۔ لڑکیوں کو عموماً ان کی مائیں یا بڑی بہنیں ضروری جنسی معلومات دے دیتی ہیں۔ لیکن لڑکوں کے ساتھ بہت ظلم ہوتا ہے والد اس سلسلہ میں اپنے ہونٹ سی لیتا ہے۔ اور والدہ پر اس بات کی زیادہ ذمہ داری کچھ زیادہ عائد نہیں کی جا سکتی۔ اور یہاں سے سارا معاملہ خراب ہو جاتا ہے۔ وہ یہ باتیں اپنے دوستوں سے پوچھتا ہے یا ناواقف لوگوں سے ڈسکس کرتا ہے۔ جو بچے شریف ہوتے ہیں انہیں بھی اس بارے میں کچھ پتہ نہیں ہوتا اور لڑکے کو مجبوراً ان لڑکوں سے معلومات لینی پڑتی ہے جن کا چال چلن بہتر نہیں ہوتا اور یوں جنسی معلومات کے چکر میں ان کے اخلاق تباہ ہوتے رہتے ہیں اور بعض اوقات بچے جنسی تشدد کا نشانہ بھی بن جاتے ہیں۔ اب مزید تفصیل سنیے والدین اور اساتذہ اس موضوع پر گفتگو نہیں کرتے ، بچہ مجبوراً غلط لڑکوں سے یہ معلومات حاصل کرتا ہے۔ یا پھر اپنی ذہنیت کے مطابق ریسرچ کرتا ہے، اخبارات میں جنسی ادویات کا تعارف، خود ساختہ جنسی بیماریاں اور بہت سی غلط باتیں اس کے ذہن میں جمع ہو جاتی ہیں اور وہ بھٹک جاتا ہے۔ اب اگر ایک بچے کو ایک دو دفعہ احتلام ہو جائے تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ اسے کوئی ''خطرناک بیماری'' ہو گئی ہے، ایک تیرہ چودہ سالہ لڑکے کے ذہن میں یہ خیال آتا ہے کہ ''مشت زنی یا Masturbation'' کی وجہ سے اس کی ''مردانہ قوت'' ختم ہو گئی ہے (حالانکہ وہ بیچارا تو ابھی پوری طرح سے مرد بھی نہیں بنا) اور یوں بچے جاہل حکیموں اور غلط لڑکوں کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں۔ یہ ہے ہمارے معاشرے کی ایک تلخ حقیقت۔

بچہ اور جنسیات

علم جنسیات کی رو سے ایک بچہ بالغ ہونے تک تین حالتوں سے گزرتا ہے، شروع میں وہ اپنے آپ میں دلچسپی لیتا ہے، پھر اپنی ہی جنس میں یعنی اگر لڑکا ہے تو لڑکے کی طرف جنسی رغبت رکھے گا اور اگر لڑکی ہے تو وہ لڑکی کی طرف مائل ہوگی۔ لیکن یہ والی ہم جنسیت کوئی خطرناک چیز نہیں بلکہ ایک نارمل بات ہے وقت کے ساتھ ساتھ ان میں جنسی جذبات کا صحیح تعین ہو جاتا ہے لڑکا لڑکی اپنے مخالف جنس کی طرف جنسی رجحان رکھتے ہیں، اور یہی صحیح جنسی طرز عمل ہے۔ اگر کوئی لڑکا یا لڑکی بالغ ہونے کے باوجود اپنی ہی جنس کی طرف رغبت رکھے تو اس صورت میں ہم کہیں گے کہ یہ ہم جنسیت کا شکار ہے۔ ایک لڑکا عموماً دس سال کی عمر میں جنسی شعور حاصل کرنا شروع کر دیتا ہے، اس میں جنسی خواہشات کا آغاز تقریباً دس سال کی عمر سے شروع ہو جاتا ہے۔ اس ہی لئے حضورﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "جب بچہ دس سال کا ہو جائے تو اسے علیحدہ بستر پر سلایا جائے۔" والدین پر یہ واجب ہے کہ وہ اس علیحدگی کی طرف توجہ دیں۔

یہ بستر کی علیحدگی واجب کیوں ہے؟ اس کے متعلق فقہاء کی تفصیلی رائے ملاحظہ فرمائیں:

اس علیحدگی کا مطلب یہ ہے کہ سونے کے وقت علیحدگی ہو، اس لیے کہ ناجائز امور میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے، کیونکہ جب بچہ دس سال کا ہو جاتا ہے تو اس میں جماع (Intercourse) کا شعور پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اس میں دیانت ہوتی نہیں جو اس کو برے کام سے روکے چنانچہ کبھی وہ اپنی بہن پر جا پڑے گا اور کبھی اپنی ماں پر، اس لیے کہ نیند آرام کا وقت ہوتا ہے اور شہوت (Sex) کے ابھار کا۔ (ردالمختار، ج ۵، ص ۳۳۶)

<u>ایک عام آدمی بچوں سے زیادتی کے جرم (Child abusing) تک کس طرح پہنچتا ہے؟</u>

کوئی انسان بھی پیدائشی مجرم نہیں ہوتا، بعض لوگ شروع شروع میں بچوں سے جنسی رغبت نہیں رکھتے وہ ان سے صرف اس لئے محبت کرتے ہیں کہ بچے معصوم ہوتے ہیں اور ان میں ایک قسم کی قدرتی کشش پائی جاتی ہے، ایسی محبت بچوں سے ہونی بھی چاہیے اس کو حضورﷺ نے بھی پسند فرمایا اور اس کی ترغیب بھی دی۔ یہ محبت تو بالکل پاکیزہ ہوتی ہے جیسے باپ کی اپنے بچوں سے محبت یا ماموں کی اپنے بھانجے بھانجیوں سے

محبت ۔لیکن بعض اوقات یوں ہوتا ہے کہ اس پاکیزہ محبت سے نکل کر لوگ اس ناپاک محبت کی طرف راغب ہو جاتے ہیں جس کا دارومدار جنسیت پر ہوتا ہے۔جسم کا لمس ان کے اندر سوئی ہوئی جنسیت یا ہم جنسیت کو جگا دیتا ہے۔ انہیں پتہ چل جاتا ہے کہ اب مجھے اس بچے یا بچی سے احتیاط کرنی چاہیے لیکن وہ مجرمانہ غفلت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ان بچوں سے تعلقات ختم نہیں کرتے بلکہ ان سے قریب ہوتے رہتے ہیں آہستہ آہستہ وہ جنسیت کی حدود میں داخل ہو جاتے ہیں اور مختلف قسم کے گناہوں میں ملوث ہوتے ہیں، جیسے انہیں گھورنا یا مختلف بہانوں سے انہیں چھونا، ان سے قریب ہونے کی کوشش کرنا۔ بچہ یا بچی کو پیار کرنے سے انہیں جنسی آسودگی حاصل ہوتی ہے۔یہ سب باتیں انتہائی درجہ کی بدکاری میں شامل ہیں۔

ایسے لوگ غیرت انسانی کی ایک طویل خندق کو پھلانگنے کی کوشش کرتے ہیں۔انسانی عقل اور فطرت ان کو یہ اجازت نہیں دیتی کہ اس معصوم سے جنسی لذت حاصل کی جائے، کتنا بڑا گناہ، انسانیت کی تذلیل، ایک شرمناک حرکت........

لیکن جنسی بھوک ان کے دماغ پر سوار ہو جاتی ہے۔انسانی ضمیر پوری قوت لگاتا ہے کہ بچوں سے دور رہیں لیکن بعض لوگ جنس کے نشے میں اندھے ہو جاتے ہیں۔قریب قریب یہی حال ان لوگوں کا بھی ہے جو امرد، بے ریش (Beardless) لڑکوں سے بداحتیاطی کرتے ہیں۔شریعت نے جو حدود مقرر کی ہیں ان کو پھلانگتے ہیں اور نتیجے کے طور پر شیطانی محبت کا شکار ہو جاتے ہیں، انہیں لڑکوں سے جنسی رغبت پیدا ہو جاتی ہے۔اور وہ اپنے نفس کو جھوٹی تسلیاں دیتے رہتے ہیں یہاں تک کہ شیطان ان کو بڑے بڑے گناہوں میں ملوث کر دیتا ہے۔

لواطت ایک بہت بڑا گناہ ہے اس کی حرمت زنا سے زیادہ ہے۔وہ باتیں جو آگے چل کر زنا کا باعث بنتی ہیں جیسے بے پردگی، بدنظری وغیرہ ان سے بچنے کی تعلیمات نبی ﷺ اور علماء کرام نے ہمیشہ کی ہے، اس ہی طرح جو چیزیں آگے جا کر لواطت جیسے قبیح فعل کا باعث بنتی ہے ان سے بھی رکنا ضروری ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس نے کسی لڑکے کا شہوت کی وجہ سے بوسہ لیا پس گویا اس نے اپنی ماں سے ستر مرتبہ زنا کیا۔(اس حدیث کو صاحب ''منبع'' نے مشکلاۃ القدوری سے نقل کیا ہے۔(شرح شرعۃ الاسلام))

اس حدیث سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ لواطت بذات خود کتنا بڑا گناہ ہوگا۔اس ہی طرح بے ریش لڑکوں سے بے تکلف (فری) ہونا کتنا بڑا گناہ ہوسکتا ہے۔ان کو چھونا ان سے کھیلنا اور اس ہی طرح کی دوسری حرکات کرنا جس سے خطرہ ہو کہ نفس لذت حاصل کرے گا، بچنا چاہیے۔یہ احتیاط اس شخص کے لئے بھی ہے، جس کو چھوٹے بچوں یا بچیوں میں رہ کر جنسی تسکین ملتی ہو۔اللہ تعالٰی نے ہر انسان کے اندر گناہ اور نیکی کا شعور ودیعت کر دیا ہے چنانچہ جو شخص بھی حرام کام کی طرف راغب ہوتا ہے تو اس کا ضمیر اس کو ملامت کرتا ہے، وہ اپنے دل میں ایک قسم کی خلش محسوس کرتا ہے۔تو اگر عقل مند اور گناہ سے بچنے والا ہے تو فوراً اس کام سے دور ہو جائے گا اور اگر اپنے نفس کا غلام بن چکا ہے تو ہو سکتا ہے کہ اسے اپنے ضمیر کی آواز سنائی ہی نہ دے۔

تفریح (Entertainment، انٹرٹینمنٹ) بچوں کا بنیادی حق ہے:

میرے خیال میں بچوں کے لیے تفریح (Entertainment) بہت ضروری ہے اگر آپ ان کو صحیح اور جائز انٹرٹینمنٹ نہیں دیں گے تو ان کے اندر ایک محرومی کا احساس پیدا ہو جائے گا۔وہ دوسرے بچوں کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھیں گے۔میں یہ نہیں کہتا کہ آپ اپنے بچوں کو دنیا بھر کے کھلونے دلا کر دیں، ان کو ہر دوسرے دن کسی ریسٹورنٹ پر کھانا کھلانے لے جائیں یا ان کو بے حساب جیب خرچ دیں لیکن آپ جتنا کر سکتے ہیں اتنا تو کریں۔

بہتر ہے کہ آپ بچوں کے لیے تفریح، کھیل کود یا پھر انٹرٹینمنٹ کی حدود خود متعین کر دیں بصورت دیگر وہ مختلف راستوں پر بھٹک جائیں گے۔غلط سلط دوست، دنیاوی چیزوں کی کشش ایک بچے کو خراب کر سکتی ہے۔میں یہ بات انتہائی افسوس کے ساتھ کہتا ہوں کہ بعض بچے اپنی چھوٹی چھوٹی خواہشات کے پیچھے اپنا جسم تک بیچتے ہیں۔اس بات کے اور بہت سے اسباب کے علاوہ ایک سبب والدین اور بچوں کی دوری ہے، ہر وقت کی مار دھاڑ، چیخنا چلانا، ایک بچے کے ذہن کو خراب کر کے رکھ دیتا ہے۔اس لئے اپنے بچوں پر ضرورت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالیں اور ان کو ایسی آزمائشوں میں مبتلا نہ کریں جس کے باعث آپ خود کسی بہت بڑی آزمائش میں گرفتار ہو جائیں۔کچھ روپے کے کھلونے دلانا یا تھوڑے بہت پیسے دے دینے میں آخر حرج ہی کیا ہے۔اب اگر آپ یہ کہیں کہ میں غریب ہوں میرے پاس اتنے پیسے نہیں تو میں آپ سے

یہ سوال کرتا ہوں کہ اگر آپ کا بچہ سخت بیمار ہو جائے تو کیا آپ یہ کہہ کر اس کا علاج نہیں کرائیں گے کہ میرے پاس پیسے نہیں؟ اس کے بیمار ہونے پر آپ مختلف اقدامات کرتے ہیں کیونکہ اس بچے کی صحت آپ کی اولین ترجیح ہے۔ تو اس ہی طرح کیا اس کی ''اخلاقی صحت'' آپ کی ترجیحات میں نہیں؟

اگر آپ بچے کو نہ کچھ کھلا سکتے ہیں اور نہ کچھ پلا سکتے ہیں تو کم از کم اتنا تو کر سکتے ہیں کہ ان کے ساتھ شفقت کا رویہ رکھیں ان کو اعتماد میں لیں۔ ہر وقت کی مار پیٹ، ڈانٹ ڈپٹ بچے اور آپ کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دیتی ہے۔ ایسا بچہ اپنے گھر والوں سے باغی ہو جاتا ہے اور گھر سے باہر اپنے غم خوار ڈھونڈتا ہے۔

بچوں کے خراب ہونے کی سب سے بنیادی وجہ والدین اور اولاد کی آپس کی دوری ہے۔ وہ بچہ کبھی خراب نہیں ہو سکتا جس کے والدین اس کے ساتھ ذہنی ہم آہنگی رکھتے ہوں۔ آپ کیسے والدین ہیں کہ بچہ اپنی خوشی غمی میں آپ کو شریک کرنے کی بجائے گلی میں پھرنے والے بچوں کو ترجیح دیتا ہے؟ بچوں کو اپنے سے قریب لانے کی کوشش کریں۔ ان سے دوستانہ رویہ رکھیں۔ صرف کھلانے، پلانے اور رہائش دے کر یہ سمجھنا کہ ہم بچے کی بنیادی ضروریات پوری کر رہے ہیں، ایک دھوکے کے سوا کچھ نہیں

کیا ہی اچھا ہو کہ جو پیسے آپ کا بچہ چوری کر کے یا سودا سلف میں سے مار کر حاصل کرتا ہے وہ آپ بطور جیب خرچ (pocket money) کے دے دیں۔ یقیناً بچے کی عزت اور اخلاق آپ کے نزدیک پیسے سے کہیں زیادہ قیمتی ہوگا۔

آجکل ایک اور خرابی یہ ہے کہ بچوں پر پڑھائی کا بہت زیادہ بوجھ ڈال دیا جاتا ہے۔ یہ بات بچپن ہی میں اس کے کان میں ڈال دی جاتی ہے کہ تم نے انجینیر، ڈاکٹر یا فوجی بننا ہے، دو، دو تین، تین ٹیوشنس بچوں کو پڑھوائی جاتی ہیں پھر اسکول جانا اور اس کا کام الگ۔ آپ اپنے بچے کو خود پیسے کا پجاری بنا رہے ہیں۔ ہر دوسرے بچے کے ذہن میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ ''پڑھنا اس لئے ہے کہ زیادہ سے زیادہ پیسے کمائے جا سکیں'' تقریباً یہی حال اساتذہ کا بھی ہے ان کو بچوں سے کوئی ہمدردی نہیں ان کی نظریں اپنی فیس اور بچے کے باپ کی جیب پر لگی ہوتی ہیں۔

بچے کے پاس کپڑے بھی ہیں، جوتے بھی ہیں، وہ اچھے اسکول میں پڑھتا ہے۔ اچھا کھاتا ہے، اچھا پہنتا ہے لیکن اگر اس کے پاس کھیلنے کے لئے ایک، دو گھنٹے نہیں تو کیا یہ بچے کے ساتھ زیادتی نہیں؟ یہ بات یاد

رکھیں کہ اگر آپ میں اور آپ کے بچے میں ذہنی ہم آہنگی نہیں تو اس کے خراب ہونے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔

پہلے زمانے کے بچے والدین کی نظروں میں رہتے تھے۔ سارا سارا دن کھیلتے بھی تھے اور پڑھتے بھی تھے لیکن اب جس بچے کو دیکھو چار کتابیں لیکر صبح شام مختلف اکیڈمیوں یا ٹیوشن سینٹرز کے چکر کاٹ رہا ہوتا ہے۔ اگر ایک بچہ بارہ بارہ گھنٹے پڑھے گا تو کھیلے گا کب؟ اپنی دلچسپی کے کام کب کرے گا؟ آرام کب کرے گا؟ کیا وہ صرف پڑھنے کے لئے پیدا ہوا ہے؟ بچوں کو کھلی چھوٹ دینا بھی نقصان دہ ہے اور ہر وقت ان کے سر پر سوار رہنا بھی ایک غلط بات ہے۔ میرے ذہن میں اکثر یہ جملہ آتا ہے کہ "یہ اس کے کھیلنے کی عمر ہے" لیکن آج کہ بچے کو دیکھ کر سوچتا ہوں کہ نہ تو پہلی جماعت میں اس کو کھیلنے کودنے کا موقع ملا نہ تیسری، چوتھی، پانچویں، چھٹی پھر اس طرح میٹرک۔ اسکول میں اسے تب داخل کرادیا گیا تھا جب اس کی عمر تین یا چار سال تھی۔ پھر آج کے بچے کی "کھیلنے کی عمر" کہاں گئی؟ کیا یہ کھیلنے کی عمر میٹرک کے بعد شروع ہوگی، گریجویشن کے بعد ماسٹرز کے بعد آخر کب؟

داڑھی کی اہمیت

تھانہ کوہسار کے علاقے سید پور جنگل میں نوجوان سے بداخلاقی کرنے کے الزام میں تین افراد کے خلاف مقدمہ درج کرلیا گیا۔ "ع ج" نے پولیس کو رپورٹ درج کرواتے ہوئے بتایا کہ ملزمان ، ، اور نے مدعی کے ساتھ بداخلاقی کی ہے۔ جس پر پولیس نے تینوں ملزمان کے خلاف مقدمہ درج کرلیا لیکن کسی بھی ملزم کو گرفتار نہیں کیا۔ (روزنامہ ایکسپریس، جمعہ ۲ فروری، ۲۰۰۷)

ایک اور خبر جو کل کے اخبار میں چھپی:

راولپنڈی (نیوز رپورٹر) تھانہ صادق آباد کے علاقے سے میٹرک کے طالب علم کو اغوا کر کے بدفعلی کی کوشش، طالب علم بھاگ کر گھر پہنچ گیا، پولیس کو رپورٹ درج کرواتے ہوئے نے بتایا میرا بیٹا ۱۷ سالہ م، ع اسکول گیا تھا واپس آرہا تھا تو ایک گاڑی آئی جس مین تین مسلح لڑکے جن کے نام ، وغیرہ تھے نے میرے بیٹے کو زبردستی اسلحہ کی نوک پر اغوا کرلیا اور زیادتی کی کوشش کی۔ موقع پا کر بیٹا بھاگ کر گھر آیا جس نے واقعہ بتایا۔ پولیس نے رپورٹ درج کر کے کاروائی شروع کردی۔ (روزنامہ

خبریں، اتوار ۲۵ فروری، ۲۰۰۷)
داڑھی ہی وہ واحد ہتھیار ہے جو کسی بری سوسائٹی میں ایک نوجوان لڑکے کی حفاظت کر سکے۔ لیکن افسوس آجکل کے نوجوان اوران
کے والدین پر کہ وہ اس طرف توجہ نہیں دیتے۔
میرے نزدیک ایک چوبیس پچیس سالہ کلین شیو، قبول صورت نوجوان اور ایک لڑکی کے چہرہ میں کوئی خاص فرق نہیں۔
جو والدین شروع جوانی میں اپنے بچوں کو کلین شیو کرنے سے نہیں روکتے وہ بلاشبہ ایک فتنہ کو جنم دیتے ہیں۔
ایک ۱۷، ۱۸ سالہ نوجوان اگر داڑھی کاٹ کر بازاروں اور بس اسٹاپس پر گھومتا ہے تو میرے نزدیک وہ ایک فتنہ ہے۔
حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں "سب سے زیادہ خداوندی قلعہ اس سے بچاؤ کا داڑھی ہے کہ جب داڑھی نکل آتی ہے سب آفتوں سے حفاظت ہو جاتی ہے۔ لیکن ہمارے نوجوان اس قلعہ کو ڈھاتے ہیں، یعنی داڑھی کا صفایا کرتے ہیں۔ اول اول تو اس لیے منڈاتے ہیں کہ حسن محفوظ رہے اگر کوئی ناصح نصیحت کرتا ہے تو کہتے ہیں..................
غرض یہ ایک خداوندی قلعہ ہے اور نیز حسن کی حفاظت داڑھی منڈانے میں نہیں، بلکہ مرد کا حسن تو داڑھی میں ہے۔" (التہذیب ۴، ص ۱۹، ۲۰) آج جمعرات کا دن ہے، ایک خبر ملاحظہ فرمائیے:
راولپنڈی (خبر نگار) تھانہ کھوڑہ کے علاقے میں دو افراد کی طالب علم سے بداخلاقی "ز" نے پولیس کو بتایا کہ وہ نویں جماعت کا طالبعلم ہے۔ اسکول سے چھٹی ہونے کی وجہ سے وہ لکڑیاں لینے جنگل میں گیا جہاں [illegible] اور [illegible] آ گئے اور اس سے بداخلاقی (زیادتی) کی [illegible] نامی شخص کے آنے پر ملزمان فرار ہو گئے۔ پولیس نے مقدمہ درج کر کے تفتیش شروع کر دی ہے۔ (روزنامہ ایکسپریس، جمعرات ۸ فروری، ۲۰۰۷)

سوال : جنت میں جو بے ریش(Beardless)، خوبصورت لڑکے ہونگے ان کو دیکھ کر شہوت حرکت میں آئے گی یا نہیں؟

جنت میں جنتیوں کی خدمت کے لیے بے ریش، خوبصورت لڑکے ہونگے اس کا تو قرآن میں واضح ذکر ہے لیکن ان لڑکوں کو دیکھ کر انسان کی شہوت (Sex) حرکت میں نہیں آئے گی۔ امرد کو دیکھ کر شہوت کا امڈ آنا اس دنیا میں تو ممکن ہے لیکن آخرت میں یہ ناممکن ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جنتیوں کے دلوں کو ہر برائی سے پاک کر دینگے۔ ان میں یہ خواہش پیدا ہی نہیں ہوگی کہ کسی امرد کو شہوت سے دیکھیں۔

اس دنیا میں ایسے اسباب ہیں کہ انسان زنا یا لواطت میں مبتلا ہو سکتا ہے لیکن جنت ایسی بیہودہ باتیں دل میں پیدا ہی نہیں ہونگی۔ اور نہ ہی جنتی ایسی حرکات کریں گے۔ (از مفتی محمد اسمٰعیل طورو)

اس ہی بارے میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ "جنت میں سب تمتعات (یعنی تمام مزے) ہونگے مگر یہ فعل خبیث (یعنی Sodomy یا لواطت) نہ ہوگا۔ مجھے تعجب ہوتا ہے کہ بعض عربی عبارتوں میں یہ لکھ دیا گیا کہ جنت میں یہ فعل ہوگا یہ قول بالکل غلط ہے۔ (التہذیب ۲، ص ۳۹)

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح حالت حیض میں وطی کو حلال سمجھنے والے کی تکفیر کی جاتی ہے، اسی طرح بیوی سے لواطت کو حلال سمجھنے والے کی بھی، باقی لڑکے کے ساتھ اس فعل بد کے حلال سمجھنے والے کا حکم تو اس کے کفر میں اختلاف نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ کتاب الاکرہ میں آرہا ہے کہ لواطت کی حرمت زنا سے بڑھی ہوئی ہے، اس لیے اس کی اباحت کی کوئی صورت ہی نہیں، پھر یہ کہ اس کی قباحت عقلی بھی ہے یہی وجہ ہے کہ یہ چیز جنت میں نہیں ہوگی۔ (ردالمختار، باب الحیض، ص ۲۷۴، جلد ۱)

عورت کا حکم رکھنا:

فقہ اور فقہی کتابوں میں بعض جگہ یہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں: ''عورت کے حکم میں ہونا'' اس کا مطلب یہ ہے کہ جیسی احتیاط نامحرم عورت کے لیے ہے ویسی ہی احتیاط کرنا۔

جس طرح اجنبی عورت سے تنہائی حرام ہے اس ہی طرح بعض صورتوں میں لڑکے سے بھی جائز نہیں۔ ابن حجر ہیتمیؒ لکھتے ہیں کہ ''بعض تابعین فرماتے ہیں کہ کوئی شخص ہرگز کسی امرد کے ساتھ ایک جگہ رات نہ گزارے۔'' (کتاب الزواجر، ص۴، ج۲)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں: ''نوخیز ملیح (خوبصورت) لڑکا بہت سی چیزوں میں اجنبی عورت کے حکم میں ہے (یعنی جو حکم عورت کے ساتھ مخصوص ہے وہی اس لڑکے کے بارے میں بھی ہوگا)۔ پس بطور لذت اس کا بوسہ لینا حرام ہے۔ بلکہ باپ بھائی کے سوا کوئی دوسرا اس کے (کسی) عضو کو جسے اپنے اوپر اطمینان نہ ہو، بوسہ نہ دے۔'' (فتاویٰ ابن تیمیہ، ص۲۱۱، ج۲)

فرماتے ہیں ''مصافحہ (ہاتھ ملانا) یا کسی اور طرح امرد کو چھو کر لذت یاب ہونا تمام مسلمانوں کے نزدیک حرام ہے۔ جس طرح ذات محارم اور اجنبی عورتوں کو چھو کر لذت اٹھانا حرام ہے۔ بلکہ اکثر علماء فرماتے ہیں کہ اجنبی عورت سے بڑھ کر گناہ، امرد کو مس (چھو) کر حظ حاصل کرنے میں ہے۔'' (فتاویٰ ابن تیمیہ، ص۴۹، ج۱)

اولاد کی حفاظت کرنا باپ کا فریضہ

حج کی اہمیت سے کون انکار کرسکتا ہے۔لیکن فقہاء یہاں بھی فرماتے ہیں کہ اگر اس لڑکے کی داڑھی نہ آئی ہوتو باپ اس کو سفر حج سے روک سکتا ہے:

اگر لڑکا قبول صورت ہے تو باپ کو اس کے روک دینے کا حق ہے یہاں تک کہ اس کی داڑھی نکل آئے۔(الدر مختار علی ہامش رد المختار، ص ۱۹۱، جلد ۲)

مفتی محمد ظفیر الدین صاحب اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر کسی کا لڑکا حسین ہے اور وہ تنہا ء حج کو جانا چاہتا ہے، باپ یہ سمجھتا ہے کہ یہ پرفتن دور ہے، یہ کسی کی سازش کا شکار ہو جائے گا، تو اس کو حق ہے کہ وہ اسے روک دے، ساتھ ہی اس فقہی جزئیہ سے یہ معلوم ہوا کہ بے ریش لڑکے کی حفاظت باپ کا فریضہ ہے وہ کسی طرح اس کو بری سوسائٹی کا شکار نہ ہونے دے خواہ لڑکے کا اس احتیاطی تدبیر کی وجہ سے تھوڑا نقصان ہی کیوں نہ ہو۔

بے ریش لڑکا اور سفر برائے تعلیم:

اس ہی طرح تعلیم کے مسئلہ میں جہاں فقہاء نے صراحت کی ہے لڑکے اپنے والدین کی اجازت کے بغیر بھی تحصیل علم کے لیے باہر جاسکتے ہیں، وہاں یہ شرط لگادی کہ لڑکوں کو یہ حق اس وقت ہے جب ان کی داڑھی آگئی ہو، بے ریش لڑکے بغیر اجازت باہر نہیں جاسکتے خواہ ان کا مقصد علم شرعی کی طلب ہی کیوں نہ ہو۔(اسلام میں غیر فطری عمل کی قباحت اور سزا، ص ۷۸)

اگر داڑھی نکل آئی تو لڑکے کو علم شرعی کی طلب میں باہر نکلنا درست ہے۔(درمختار علی ہامش ردالمختار)

اگر اس لڑکے کی داڑھی نہیں آئی تو باپ کو حق حاصل ہے کہ وہ اسے باہر جانے سے روک دے۔(طحطاوی، علی الدر، ص ۲۰۴، جلد ۴)

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں کہ یہاں امرد(beardless) سے کیا مراد ہے اور یہ قید کیوں لگائی گئی:

امرد سے مراد وہ لڑکا ہے جس کی خوب داڑھی نہ آگئی ہو اس لیے سبزہ آغاز ہے (یعنی ابھی تھوڑی داڑھی آرہی ہو) تو وہ بھی فتنے کی زد سے باہر نہیں ہے اس لیے کہ بعض بدکردار ایسے بھی ہوتے ہیں جو سبزہ آغاز کو امرد پر ترجیح دیتے ہیں۔(ردالمختار، ص ۳۶۰، جلد ۵)

شرعی احکامات

شیخ الاسلام حضرت امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں ''نوخیز خوبصورت لڑکوں کے لیے کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ وہ ایسی جگہوں پر اور ایسے وقتوں میں نکلیں جن میں فتنہ کا اندیشہ ہے۔ اگر ایسی ہی مجبوری ہو تو بقدر ضرورت نکلیں، ان کے لیے بن سنور کر نکلنا یا اجنبیوں اور غیروں میں بیٹھنا درست نہیں، اور نہ مردوں میں چکر کاٹنا اور نہ ہی اس طرح کی حرکت کرنا جس میں لوگوں کے لیے فتنہ ہو اور دیکھنے پر مجبور ہوں''۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ج۲، ص۵۲)

صاحب درمختار لکھتے ہیں کہ لڑکا یا لڑکی میں سے جب کوئی دس سال کا ہو جائے تو ان کے درمیان سونے یا لیٹنے میں تفریق واجب ہو جاتی ہے، لڑکے اور اس کے بھائی کے درمیان، لڑکے اور اس کی بہن کے درمیان، لڑکے اور اس کی ماں کے درمیان، لڑکے اور اُس کے باپ کے درمیان، کیونکہ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ جب دس سال کے ہو جائیں تو ان کے بستر علیحدہ کر دو۔ اور تنف میں لکھا ہے کہ چھ سال کی عمر میں بستر علیحدہ کر دو۔ (ردالمختار، ج۵، ص۳۳۶)

علامہ شامیؒ اس عبارت کی وضاحت کرتے ہیں: شرعۃ الاسلام نامی کتاب میں مذکور ہے کہ بچوں کے بستر لیٹنے میں علیحدہ کر دیے جائیں جب وہ دس سال کے ہو جائیں، اور لڑکوں اور عورتوں کے درمیان اور لڑکے اور مردوں کے درمیان علیحدگی کرادی جائے، اس لیے کہ یہ فتنہ انگیز چیز ہے، خواہ دیر ہی سے یہ فتنہ ابھرے مگر ابھرے گا۔ (ردالمختار، ج۵، ۳۳۶)

حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب (دارالعلوم دیوبند) اس سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ ''یہ صرف استحبابی حکم نہیں بلکہ واجب ہے، جس کا تارک سخت گناہ گار ہوتا ہے، اور یہ حکم اس لیے ہے کہ ساتھ سونا فتنہ کو دعوت دیتا ہے۔''

اس کی مثال یہ ہے کہ اگر کوئی باپ اپنے دس سالہ بچے کو اپنے ساتھ سلاتا ہے تو وہ گناہ گار ہوگا کیونکہ اس نے واجب کو ترک کیا۔ مفتی صاحب آگے فرماتے ہیں کہ جب دس سالہ بچہ اپنے بھائی، باپ کے ساتھ نہیں سو سکتا تو کسی دوسرے اجنبی مرد یا دوسری اجنبی عورت کے ساتھ اس کے سونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، گو فقہاء نے اس جزئیہ کو بھی چھوڑا نہیں ہے۔ جس میں اجنبی کے ساتھ سونے کی ممانعت ہے، صفائی سے

اس جزئیہ کو بھی لکھ دیا، (فقہاء) فرماتے ہیں:
اور ایسا ہی لڑکے کو آزاد نہ چھوڑا جائے کہ وہ کسی اجنبی مرد یا عورت کے ساتھ سوئے، بالخصوص جب وہ لڑکا خوبصورت بھی ہو، اس لیے کہ گو اس کے سونے میں ایسی بات نہ ہو، لیکن عموماً مرد، عورت کا دل اس لڑکے پر آجاتا ہے اور بعد میں یہ چیز باعث فتنہ بن جاتی ہے۔ (ردالمختار)
حضور ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے "نہ مرد مرد کے ستر پر نظر ڈالے اور نہ عورت عورت کے ستر پر اور نہ مرد مرد کے پاس ایک کپڑے میں لیٹے اور نہ عورت عورت کے پاس۔" (مشکوۃ)
"نہ مرد مرد سے ننگے ملے، اور نہ عورت عورت سے۔" (رواہ احمد)
ان احادیث سے یہ بات باخوبی معلوم ہوجاتی ہے کہ مرد اور عورت کے درمیان تو احتیاط ہے ہی، اس ہی طرح عورت عورت اور مرد، مرد کے درمیان بھی کچھ فاصلہ ہونا ضروری ہے۔
مفتی ظفیر الدین صاحب فرماتے ہیں:
یہ چیز بے حد افسوس ناک اور ساتھ ہی خطرناک ہے کہ تعلیمی ادارے سب سے زیادہ اس مرض میں مبتلا ہیں خواہ وہ کوئی ادارہ بھی ہو اور جس زبان کا بھی ہو، ہائی اسکول، کالج اور یونیورسٹیوں میں یہ وبا پھیلتی جا رہی ہے، کم وبیش یہی حال سنسکرت اور عربی درسگاہوں کا بھی ہے۔
فتح موصلیؒ کہتے ہیں کہ میں اپنی زندگی میں تیس ابدال سے ملا اور ان سے فیضیاب ہوا مگر ان سب نے رخصت کے وقت وصیت کی کہ بے ریش اور عورت بننے والے لڑکوں سے کوسوں دور رہنا۔ (اتحاف، ص ۴۳۵، وفتویٰ ابن تیمیہؒ)

<u>لمحہ فکریہ</u>:

یہاں پہنچ کر ان حضرات کی توجہ منعطف کراتا ہے <u>جن کا مشغلہ امرد لڑکوں کو پڑھانا ہے، یعنی اسکول، کالج اور یونیورسٹی اور ساتھ ہی عربی مدرسوں کے اساتذہ</u> جو عموماً ان سے بے تکلف ہوتے ہیں، وہ اس سلسلہ میں پوری احتیاط سے کام لیں، اس طرح کے بے ریش (بغیر داڑھی والے، Beardless) کو نظر بھر کر دیکھنے کی کوشش بھی نہ کریں۔ نہ ان کو تنہائی میں اپنی خدمت کے لیے رکھیں اور نہ اپنے سے بے تکلف بنائیں۔ جو لوگ احتیاط نہیں برتتے اور ان سے تنہائی میں خدمت لیتے ہیں، وہ ہر وقت جہنم کے کنارے پر

کھڑے ہوتے ہیں، پتہ نہیں کہ کس وقت اس دہکتی آگ میں اپنے کو ڈال لیں۔(اسلام میں غیر فطری عمل کی قباحت اور سزا، ص ۱۵۸)

بچیوں کے لیے احتیاط:

اس ہی طرح والدین کو چاہیے کہ اپنی بچیوں کی بھی حفاظت کریں۔سب سے بڑی غلطی جو میں نے لوگوں میں دیکھی ہے وہ یہ کہ وہ اپنی بچی کو ''بچی'' ہی سمجھتے رہتے ہیں۔وہ ۱۶، سترہ سال کی بھی ہو جائے پھر بھی بچی، اس کے پردے کی کوئی فکر نہیں، کہاں آتی ہے کہاں جاتی ہے کوئی خبر نہیں، کوئی دروازے پر آئے تو دیکھنے چلی گئی، کچرے والے کو بے دھڑک کچرا دے دیا، دودھ والے سے بغیر پردے کے دودھ لینے چلی گئی، مردوں کے ہوتے ہوئے بھی فون ریسیو کرلیا۔ یاد رکھیں یہ چیز بہت خطرناک ہے ۱۶، ۱۷ اتو بہت بڑی عمر ہے، بچی کا خیال تو اُس وقت سے رکھنا شروع کردیں جب وہ سات سال کی ہوجائے، نامحرموں سے ٹیوشن یا قرآن پڑھوانے کی کوئی ضرورت نہیں۔بچی کے لیے استانی رکھیں آجکل لوگ اپنی بچیوں کو مختلف جگہ ٹیوشن پڑھنے کے لیے بھیج دیتے ہیں۔بچی دوسری کلاس کی ہو یا میٹرک کی اس کو اس طرح اکیڈمیز میں مرد حضرات سے ٹیوشن پڑھوانا بالکل غلط ہے۔آپ کی نظر میں بچی، بچی ہی رہے گی لیکن آپ یہ بھی تو سوچیں کہ دوسرے لوگ جن کا اس سے کوئی رشتہ نہیں وہ بھی اس کو ''چھوٹی بچی'' ہی سمجھتے ہیں؟اور آجکل تو اتنا برا زمانہ ہے کہ سات آٹھ سال کی بچی بھی غیر محفوظ ہو چکی ہے۔یہ کہنا کہ کوئی استانی نہیں مل رہی اس لیے مرد ٹیچر سے ٹیوشن پڑھوا رہے ہیں، اپنے آپ کو جھوٹی تسلی دینے کے مترادف ہیں آپ کے الفاظ یہ ہونے چاہییں کہ بچی ہے اس لیے ٹیشن ہی نہیں پڑھوا رہے(تو یہ زیادہ اچھی بات ہے)۔عورت کی سب سے قیمتی چیز اس کی عزت ہے۔ذرا سی لاپروائی بچی کی ساری زندگی کے لیے مصیبت بن سکتی ہے۔

بچیوں کو کب پردہ کی عادت ڈالنی چاہیے؟

تھانوی صاحبؒ فرماتے ہیں:

اور پردہ کا وقت جو میں نے سمجھا ہے وہ سات برس کا سن ہے (یعنی سات سال کی عمر ہے)۔میں نے نواب ڈھاکہ کے جواب میں بھی یہی کہا تھا۔اور یہ وقت میں نے اس حدیث سے سمجھا مروا صبیانکم بالصلوٰۃ اذا بلغو سبعا کہ اپنے بچوں کو نماز پڑھنے کا حکم سات برس کی عمر سے

کرو۔اس سے اتنا معلوم ہوا بچیوں کو احکام شرعیہ کی عادت سات برس کی عمر سے ڈالنا شروع کرو۔اور یہ پردہ بھی حکم شرعی ہے اور اس کا بلوغ سے پہلے شروع کرانا نہایت ضروری ہے۔کیونکہ اول تو لڑکیاں بلوغ سے پہلے ہی مشتہات ہو جاتی ہیں (ان کی طرف شہوت یا سیکس پیدا ہو سکتا ہے) ۔اس لیے بلوغ سے پہلے وہی سن مناسب ہے جو نماز کے لیے حضورﷺ نے تجویز کیا ہے۔تو اس سے میں سمجھا کہ سات برس کی بچی کو پردہ کی عادت ڈالنی چاہیے۔(خطبات،حدود و قیود،ص ۴۷۵)

''میں نے اکثر بچیوں کو دیکھا ہے کہ ان کو تکلف اور تصنع (یعنی بننے سنورنے) کا بہت شوق ہوتا ہے، سر سے پیر تک بڑی عورتوں کی طرح زیور میں لدی ہوئی ہیں۔افسوس ہے کہ بچپن ہی سے نشو نما خراب ہو جاتی ہے اور زیادہ افسوس یہ ہے اس کی تعلیم اور اصلاح کی طرف توجہ نہیں کی جاتی بلکہ اس کی تائید کی جاتی ہے''۔(حدود وقیود،ص ۴۷۴)

پردہ قید نہیں، تھانوی صاحبؒ کی ایک اعلیٰ تحقیق

بعض لوگ گھروں میں رکھنے کو قید کہتے ہیں یہ لوگ ان کو آزاد رکھنا چاہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں یہ قید نہیں بلکہ باہر نکالنا ہی حقیقت میں قید ہے۔ کیونکہ قید کی حقیقت ہے خلاف مرضی محبوس (مرضی کے خلاف بند) کرنا پس قید تو جب ہو کہ باہر نکلنا چاہیں اور تم ہاتھ پکڑ کر اندر لے جاؤ۔ یہی قید ان کے لیے تو اگر طبع سلیم ہو تو بے پردہ ہو کر باہر نکلنا ان کے لیے موت ہے (اس جملہ کی وضاحت آگے بریکٹس میں آرہی ہے) بس بے پردگی قید ہوئی۔ پردہ میں رہنا قید نہ ہوا بعض عورتوں نے جانیں دے دیں ہیں اور باہر نہیں نکلیں۔ ضلع اعظم گڑھ میں ایک شخص کا زمانہ طاعون میں عارضی مکان چھپر کا تھا اس میں اتفاقاً آگ لگ گئی اس کی بی بی (بیوی) جل کر مرگئی۔ باہر نکل کر دوسروں کو صورت نہیں دکھائی۔ میں یہ فتویٰ بیان نہیں کرتا کہ اچھا کیا، مطلب ان کے جذبات فطریہ کا بیان کرنا ہے۔ (یعنی پردہ کرنا مسلمان عورت کی فطرت (Nature) میں ہے، وہ ایک فطری جذبہ کے تحت لوگوں سے چھپ کر رہتی ہیں، لیکن اگر کسی کی فطرت مسخ (destroy) ہوگئی ہو تو وہ پردہ کو قید کہے گی۔ یہ اس ہی طرح ہے کہ جسم چھپانا جذبہ فطریہ ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص کپڑے پہننے کو قید کہے تو ہم یہ کہیں گے کہ اس کا دماغ ٹھیک نہیں ہے، اس کی فطرت مسخ ہوگئی ہے۔ تو جو عورتیں پردے کو قید کہتی ہیں اصل میں ان کی فطرت (نیچر Nature) بدل چکی ہے یا ان کی فطرت ''سلیم (صحیح سلامت)'' نہیں ہے)

صاحبو! پردہ اول تو عورت کے لیے فطری امر (عورت کی نیچر) ہے دوسرے مصالح عقلیہ بھی اسی کے مقتضی ہیں کہ عورتوں کو پردہ میں رکھا جائے (یعنی عقل کا بھی یہی تقاضہ ہے کہ عورت پردہ میں رہے)۔

ایک مسلمان انجینئر تھے ان سے ایک پادری انجینئر نے کہا کہ اسلام مذہب بہت اچھا ہے اس میں سب خوبیاں ہیں سوا اس کے کہ عورتوں کو قید میں رکھا جاتا ہے۔ مسلمان انجینئر نے کہا کہاں؟ ہم نے تو کسی مسلمان عورت کو قید میں نہیں دیکھا۔ کہا وہی قید جس کا نام تم نے پردہ رکھا ہے۔ تو ان مسلمان انجینئر نے پادری سے کہا کہ پہلے آپ یہ بتائیے کہ قید کس کو کہتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ قید، ''حبس خلاف طبع'' (یعنی کسی شخص کو اس کی مرضی کے بغیر کہیں بند کرنے) کو کہتے ہیں اور جو حبس (بند ہونا) خلاف طبع (طبیعت یا مرضی کے خلاف) نہ ہو اس کو قید ہرگز نہیں کہیں گے ورنہ پاخانہ (باتھ روم) میں جو آدمی پردہ کر کے بیٹھ جاتا

ہے اس کو بھی قید کہنا چاہیے کیونکہ ٹائیلٹ میں آدمی تمام آدمیوں کی نگاہ سے چھپ جاتا ہے، سب سے الگ ہوجاتا ہے۔ مگر اس کو کوئی قید نہیں کہتا کیونکہ یہ حبس (بند ہونا) خلاف طبع (مرضی کے خلاف) نہیں ہے بلکہ موافق طبع (مرضی کے مطابق) ہے اس لیے کوئی یہ نہیں کہتا کہ آج ہم اتنی دیر قید میں رہے اور فرض کرو اس لیٹرین میں کسی کو بلاضرورت بند کردیا جائے کہ باہر سے زنجیر لگادیں اور ایک پہرہ دار کھڑا کردیا جائے اور اس سے کہہ دیا جائے کہ خبردار! یہ آدمی یہاں سے نکلنے نہ پائے۔ تو اس صورت میں بے شک یہ حبس (بند ہونا) خلاف طبع (مرضی کے خلاف) ہوگا۔ اور اسے ضرور قید کہیں گے اور اس صورت میں قید کرنے والے پر ''حبس بیجا'' کا مقدمہ ہوسکتا ہے۔ بتلایئے ان دونوں صورتوں میں فرق کیا ہے؟ فرق صرف یہ ہے کہ پہلی صورت میں حبس خلاف طبع (مرضی کے خلاف) نہیں ہے اور دوسری صورت میں خلاف طبع (مرضی کے خلاف) ہے۔ پس ثابت ہوا کہ مطلق حبس (محض بند ہونے) کو قید نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ قید، ''حبس خلاف طبع (مرضی کے خلاف بند ہونے)'' کو کہتے ہیں۔ پس آپ کو پہلے یہ تحقیق کرنے کی ضرورت ہے کہ مسلمان عورتیں جو پردہ میں رہتی ہیں وہ ان کی طبیعت کے موافق (کے مطابق ہے) یا خلاف؟ اس کے بعد یہ کہنے کا حق تھا کہ پردہ قید ہے یا نہیں۔ میں آپ کو بتاتا ہوں کہ پردہ مسلمان عورتوں کے لیے خلاف طبع نہیں ہے کیونکہ مسلمان عورتوں کے لیے حیاء (شرم) ''امر طبعی'' ہے (یعنی قدرتی طور پر ان کے اندر موجود ہوتی ہے یا یہ چیز ان میں by nature) ہے۔ لہٰذا پردہ حبس موافق طبع ہے (یعنی یہ قید نہیں ہے کیونکہ مسلمان عورت میں یہ چیز فطری طور پر پائی جاتی ہے کہ وہ غیر مردوں سے پردہ کریں) اور اس کو قید کہنا غلط ہے۔ بلکہ اگر ان کو باہر پھرنے پر مجبور کیا جائے تو یہ خلاف طبع (ان کی فطرت، مرضی اور منشا کے خلاف ہوگا) اور اس کو قید کہنا چاہیے۔ (حقوق الزوجین، ص ۲۷۱،۲۷۲)

آجکل یہ بات مشہور ہوگئی ہے کہ چہرے کا پردہ نہیں۔ یہ بالکل غلط اور سمجھ سے بالاتر بات ہے۔ اگلے صفحات میں میں نے اس بات پر بحث کی ہے۔

پردہ قید نہیں بلکہ رحمت ہے اگر بات سمجھ نہیں آتی تو یہ خبریں ملاحظہ فرمائیں:

راولپنڈی (خبر نگار) تھانہ کینٹ پولیس نے آٹھ سالہ بچی سے زیادتی کی کوشش کرنے والے شخص کو گرفتار کر لیا۔ ... نے پولیس کو بتایا کہ اس کی بھانجی مسماۃ ''خ'' جو کینٹ پبلک اسکول میں پڑھتی ہے، ٹیوشن پڑھنے

۔۔۔گلی میں جاتی تھی۔ گزشتہ روز شام چھ بجے مدعی کی بھانجی گلی کے سامنے کھڑی رو رہی تھی۔ پوچھنے پر اس نے "س،ا" نامی شخص کی طرف اشارہ کر کے روتے ہوئے بتایا کہ اس نے اسٹیشنری کی دکان کے اندر لے جا کر بچی سے زیادتی کی۔ (روزنامہ خبریں، جمعہ ۹ فروری، ۲۰۰۷)

دوسری خبر یہ ہے: لانڈھی (کراچی) میں ساتھویں جماعت کی طالبہ سکینہ عرف سانو کو زیادتی کے بعد قتل کر کے لاش ٹکڑے ٹکڑے کرنے والے جنونی ملزم و کو پولیس نے مقامی عدالت سے ۵ جنوری تک کا ریمانڈ حاصل کر لیا ہے۔ ملزم نے سکینہ کو گود میں کھلایا تھا وہ اسے انکل کہتی تھی اور اس سے بہت مانوس تھی۔ ملزم کا کہنا ہے کہ اس پر جنون طاری ہو گیا تھا، اس کا دماغ خراب ہو گیا تھا۔ اس شرمناک حرکت کے بعد میری خواہش ہے کہ مجھے سکینہ کے گھر والوں کے حوالے کر دیا جائے جو مجھے قتل کر دیں۔ ملزم جو ٹیکسی ڈرائیور ہے، مقتولہ کے والد کا ۱۵ سالہ پرانا دوست ہے۔ ملزم کی حرکتیں اچھی نہ ہونے کی وجہ سے اس کے گھر والے بھی اس سے لاتعلق ہو گئے تھے۔ ملزم نے پسند کی شادی کی تھی لیکن ۸ مہینے کے بعد ہی بیوی پر بد کرداری کا الزام لگا کر اسے طلاق دے دی، ملزم کے رویے کی وجہ سے سکینہ کے والد نے بھی اس سے تعلقات کم کر دیے تھے۔ مقتولہ کا والد کلرک ہے۔ ر کے مطابق وہ آفس سے گھر آیا تو بیوی نے بتایا کہ سکینہ لاپتہ ہے جس پر ہم نے اسے تلاش کرنا شروع کر دیا ایک محلّہ والے نے بتایا کہ سکینہ و کے ساتھ جا رہی تھی جس پر ہم و کے پاس گئے لیکن اس نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ جس پر ہم نے تھانہ جا کر پولیس کو ساری صورتحال بتائی پولیس نے و کو مارا پیٹا تو و نے قتل کا اعتراف کر لیا۔ ر کے مطابق و کے خاندان والے اچھے لوگ تھے اس لیے اس سے دوستی کی تھی لیکن و کا کردار مکروہ نکلا۔ سکینہ کے قتل نے اس کی ماں کے ہوش و حواس چھین لیے ہیں۔ پولیس کے مطابق ملزم انتہائی بد کردار شخص ہے۔ اس کے پاس سے ملنے والے موبائل فون سے کئی لڑکیوں کے نمبر ملے ہیں۔ جبکہ ملزم کے پاس سے لاہور کا ٹکٹ برآمد ہوا ہے۔ پولیس کو جمعرات کے روز مقتول کی پوسٹ مارٹم رپورٹ بھی مل گئی جس میں ڈاکٹروں نے تصدیق کی ہے کہ قتل سے قبل اس سے زیادتی کی گئی۔

ایک اور خبر:

فتح جنگ (نمائندہ ایکسپریس) آٹھ سالہ طالبہ (س) کو زندہ جلانے والے نامزد ملزم کو فتح جنگ پولیس

نے گرفتار کر کے اٹک جیل بھجوا دیا۔ بچی کو تین ماہ قبل گاؤں سے تین افراد نے اغوا کر کے فتح جنگ میں پرانے ائیر پورٹ پر زیادتی کے بعد آگ لگا دی تھی، دو ملزمان کو پولیس نے اس وقت گرفتار کر لیا تھا، جبکہ تیسرا ملزم فرار ہو گیا تھا جسے گزشتہ روز پولیس نے گرفتار کر کے اٹک جیل بھجوا دیا۔ (روزنامہ ایکسپریس، جمعرات ۸ فروری، ۲۰۰۷)

بچوں کے لیے احتیاطی تدابیر:

بعض باتیں مشاہدے سے ثابت ہیں جن کا انکار کرنا عقلمندی نہیں،

اگر کوئی لڑکی تنگ لباس مثلاً پینٹ شرٹ پہنے گی تو اس کی طرف شہوت جلد پیدا ہوگی اس ہی طرح اگر کوئی لڑکا عورت کا حکم رکھتا ہو تو اسے چاہیے کہ کھلا لباس پہنے جیسے کرتا شلوار یا شلوار قمیض۔ ہم یہاں پر اس بات سے بحث نہیں کر رہے کہ شریعت کی رو سے لباس کیسا ہونا چاہیے، بلکہ چند حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے احتیاطی تدابیر کا ذکر کر رہے ہیں۔

خوشبو کا استعمال بھی ایسے لڑکے، بچے یا بچی کے لیے مناسب نہیں خاص طور پر جب فتنے کا اندیشہ ہو، حالانکہ ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ خوشبو کا استعمال سنت نبوی ہے، لیکن عورت کے لیے احتیاط ہے۔ پس جو لڑکا عورت کا حکم رکھتا ہو اس کو، اس کے والدین اور اساتذہ کو چاہیے کہ ان باتوں کا خیال رکھیں۔

بعض بچوں اور بچیوں میں عادت ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کو گھور گھور کر دیکھتے ہیں مثلاً اگر مسجد میں بیٹھے ہیں تو کسی لڑکے کی طرف گھورتے رہیں گے یہ عادت صحیح نہیں، کوئی شخص اس عادت سے متاثر ہو کر ان سے راہ ورسم بڑھائیگا جو غلط ثابت ہو سکتا ہے۔ جو بچے یا لڑکے خوبصورت ہوں انہیں خاص احتیاط کی ضرورت ہے۔

ایک اور خطرہ:

اکثر چھوٹے بچوں میں یہ شوق دیکھا گیا ہے کہ وہ بڑا بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ ایک فطری شوق ہو لیکن یہ اس وقت خطرناک ہے جب چھوٹے لڑکے بڑے لڑکوں سے خوش گپیاں کریں، ان سے راہ ورسم بڑھائیں، ان کے ساتھ اٹھے بیٹھیں۔ بعض بچوں کو بدمعاش بننے کا شوق ہوتا ہے جو انہیں لے ڈوبتا ہے۔ میں پھر یہی کہوں گا کہ فلمیں دکھانا بہت خطرناک ہے کیونکہ یہاں سے یہ شوق پیدا ہوتا ہے۔ والدین کو چاہیے کہ ان پر نظر رکھیں۔ بچوں کے بال چھوٹے رکھے جائیں، مختلف قسم کے فیشن کروانے کی کوئی ضرورت نہیں۔

آجکل ایک مصیبت یہ بھی ہے کہ گیارہ، بارہ سال کے بچوں کو ہیرو بننے کا شوق ہوتا ہے جس کے نتیجے میں وہ زیرو بن جاتے ہیں۔

جب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ہم جنسیت کی کوئی نہ کوئی حقیقت ہے، اور بچوں کا جنسی استحصال بھی

معاشرے کا ایک اہم مسئلہ بن چکا ہے تو پھر اس سے بچنے کے طریقے بھی اپنائے جائیں۔
حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ اگر تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ کسی لڑکے کی پیر کی انگلیوں کو چھیڑ رہا ہے اور اس سے مزہ لے رہا ہے تو یقین کر لو وہ لوطی ہے اور لڑکے کو اپنے قابو میں لانے کے لئے آزمارہا ہے، لہٰذا ایسے ملعون سے خبر دار رہو۔(یہ بات اس طرح بھی کی جاسکتی ہے کہ پیر کی بجائے ہاتھوں سے یا ان کی انگلیوں سے کھیل رہا ہو، تب بھی اس پر قوی شک کیا جاسکتا ہے۔)

ایک محفوظ بچہ:

یہ بات دعوہ سے کہی جاسکتی ہے کہ اگر آپ کے گھر کا ماحول اچھا ہے اور آپ کو بچے کی مصروفیات کا علم ہے، مثلاً اس کے مشاغل کیا ہیں، وہ کس وقت کھیلتا ہے، کس وقت پڑھتا ہے، باہر کس قسم کی شرارتیں کرسکتا ہے۔اس کے دوست کس قسم کے ہیں کہاں رہتے ہیں کتنے بڑے ہیں، اگر ان باتوں کی پرواہ کی جائے تو کوئی بچہ یا بچی غلط ہاتھوں میں نہیں جاسکتا چاہے وہ کتنا ہی خوبصورت کیوں نہ ہو۔

بچوں کی حفاظت کے لئے تعویذ:

سب سے بہتر عمل تو یہ ہے کہ بچے، بچیوں کو حفاظت کی غرض سے ''آیت الکرسی'' یاد کروادی جائے۔اور انہیں ہدایت کی جائے کہ آتے جاتے اس کا ورد کریں اور کسی بھی قسم کے خطرے کی صورت میں اسے پڑھیں۔اس کے علاوہ آپ یہ بھی کرسکتے ہیں کہ خود ہی اپنے بچے پر آیت الکرسی دم کریں انشاءاللہ ہر آفت سے امن میں رہے گا۔دوسرا طریقہ تعویذ کا ہے۔یہ کلمات لکھ کر گلے میں لٹکا دیں اس میں عمر کی کوئی قید نہیں کلمات یہ ہیں: اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ما خلق۔

نگاہ کی حفاظت:

قل انما حرم ربی الفواحش ماظهر منها وما بطن۔(سورۃ العراف،آیت ۳۳)

ترجمہ: تم کہدو میرے رب نے صرف بے حیائی کی باتوں کو منع کیا ہے اور جو ان میں کھلی ہوئی ہیں اور جو چھپی ہوئی ہیں۔

اس آیت کی تشریح میں تھانوی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:

بہر حال مقصود میرا یہ ہے کہ لڑکا ہو یا عورت (لڑکی) ہو اپنی نگاہوں کو دونوں سے بچانا چاہیے۔ اس نظر کے گناہ کو ہم فواحش میں داخل کر سکتے ہیں۔ "ماظهر" میں تو عورتوں کے دیکھنے کو داخل کیا جاوے گا اس لیے جو شخص کسی عورت کو دیکھتا ہے اور اس وقت کوئی اس کو دیکھ لے تو وہ سمجھ جائے گا کہ یہ اسے گھور رہا ہے اور برا کرتا ہے اگر چہ نظر اس کی ناپاک نہ ہو اور لڑکوں کے گھورنے کو "مابطن" میں داخل کر سکتے ہیں اس لیے کہ ان کے دیکھنے والوں کو کوئی برا نہیں جانتا اگر چہ بری ہی نظر ہو۔(التہذیب ۲،ص ۴۴)

تھانوی صاحبؒ کا ایک خطبہ

تھانوی صاحب فرماتے ہیں کہ ہمارے بعض افعال میں محض شہوت (Sex) وغضب (غصے) کا اتباع (کی پیروی) ہے۔ مثلاً کسی نامحرم کو دیکھنے کو جی چاہا اس کو دیکھ لیا۔ کسی کا گانا سننے کو جی چاہا اس کا گانا سن لیا۔ کبھی جی چاہا تو کسی کے حسن و جمال کا تصور کر کے مزہ لینے لگے۔ اس کی کوئی فکر نہیں کہ ہم جائز کام کر رہے ہیں یا ناجائز۔ حالانکہ یہ سب صورتیں زنا میں داخل ہیں۔ حدیث میں ہے العینان تزنیان وزنا هما النظر والاذنان تزنیان وزنا هما الاستماع الخ، آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا دیکھنا ہے، کان بھی زنا کرتے ہیں ان کا زنا سننا ہے۔ چنانچہ اجنبی عورت کی آواز یا امرد (بغیر داڑھی والے لڑکے) کی آواز شہوت (Sex) کے ساتھ سننا زنا میں داخل ہے۔ زبان بھی زنا کرتی ہے اس کا زنا نطق ہے۔ غیر محرم سے بیہودہ باتیں کرنے کی اجازت نہیں۔ کیونکہ نفس لذت حاصل کرنے کے لیے ایسی باتیں کرتا ہے۔ قلب (دل) بھی زنا کرتا ہے اس کی (یعنی لڑکی، عورت، بچی، بچہ یا امرد کی شکل صورت وغیرہ) سوچ کر مزا لیا جاتا ہے۔ اس کو کوئی سمجھتا ہی نہیں کہ یہ بھی گناہ ہے۔ آگے فرماتے ہیں: یہاں تک کہ جی خوش کرنے کے لیے کسی حسین لڑکے یا لڑکی سے باتیں کرنا یہ بھی زنا و لواطت میں داخل ہے۔ اور قلب کا زنا سوچنا ہے جس سے لذت حاصل ہو............ جیسے زنا میں تفصیل ہے ایسے ہی لواطت میں بھی۔ اس بلا میں باکثرت لوگ مبتلا ہیں اور یہ نہایت افسوس اور رنج کی بات ہے۔ باوجود یہ کہ عورت کی طرف طبعاً میلان ہوتا ہے (یعنی عورت سے شہوت ہونا ایک فطری بات ہے)۔ لیکن لوگ پھر بھی لڑکوں کی طرف مائل ہیں اور وجہ اس کی زیادہ تر یہ ہے کہ عورت (یا لڑکی) سے ملنے میں بدنامی ہو جاتی ہے۔ دوسرے عورت ملتی بھی مشکل سے ہے اور لڑکے سے ملنے میں بدنامی کا زیادہ اندیشہ (خطرہ) نہیں ہوتا۔ اور ملتے بھی آسانی سے ہیں۔ بالخصوص دیکھنا اور تصور کرنا اس لیے بھی سہل (آسان) ہے کہ اس کی کسی کو خبر بھی نہیں ہوتی اور یہ سب بدکاری ہے۔

<u>پرہیزگاروں میں اس مرض کا پایا جانا:</u>

اور نہایت افسوس ہے کہ یہ مرض تاک جھانک کا پرہیزگاروں میں بھی ہے اور ان کو دھوکا اس بات سے ہو جاتا ہے کہ بعض اوقات وہ اپنی طبائع میں اکثر شہوت کی خلش نہیں پاتے (یعنی عموماً طور پر ان کی طبیعت

شہوت کی طرف کوئی خاص میلان نہیں رکھتی) اور (وہ) اس سے سمجھتے ہیں کہ ہماری نظر شہوانی نہیں (یعنی ہمارے دیکھنے میں سیکس کا دخل نہیں) لیکن بہت جلد شہوت ظاہر ہو جاتی ہے (یعنی ان پر ظاہر ہو جاتا ہے کہ ان کے دیکھنے میں شہوت، سیکس کا عمل دخل ہے، یا شروع والی نظر تو شہوت سے پاک ہوتی ہے لیکن پھر ان کا نفس شہوت پیدا کر دیتا ہے اور وہ یہی سمجھتے رہتے ہیں کہ ہماری نظر پاک ہے) اس لیے ابتداء ہی سے احتیاط واجب ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کا طرز عمل:

تھانوی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ صاحبو! امام ابوحنیفہ سے بڑھ کر تو آجکل کوئی مقدس نہیں ہوگا مگر دیکھیے امام محمد (امام ابوحنیفہ کے خاص شاگرد) امام صاحب نے اول (پہلی) دفعہ تو دیکھا لیکن جب معلوم ہوا کہ ان کی داڑھی نہیں آئی تو حکم کر دیا کہ جب تک داڑھی نہ نکل آئے، پشت (پیٹھ) کی طرف بیٹھا کرو۔ دونوں طرف متقی مگر احتیاط اتنی بڑی۔ بعد مدت دراز (ایک عرصے کے بعد) ایک مرتبہ اتفاقاً امام صاحب کی نظر پڑ گئی تو تعجب سے پوچھا کیا تمہاری داڑھی نکل آئی؟ تو جب امام ابوحنیفہؒ نے اس قدر احتیاط کی تو آجکل کون ہے جو اپنے اوپر اطمینان کرے۔

اس میں ایک تو یہ کھلا دھوکہ ہے گا (ہے) کہ ناپاک کو پاک سمجھا۔ دوسرا اگر پاک بھی مان لیا جائے تو خوب سمجھ لو، شیطان اول اول (شروع شروع میں) تو اچھی نیت سے دکھلاتا ہے چند روز کے بعد جب محبت جاگزیں ہوتی ہے تو پھر نگاہ کو ناپاک کر دیتا ہے۔ تو ضروری امر (بات) یہ ہے کہ علاقہ ہی نہ کرو (یعنی ایسا تعلق ہی مت رکھو)۔ اور علاقہ (تعلق پیدا) ہوتا ہے نظر سے لحاظہ نظر ہی نہ کرو (دیکھو ہی نہیں)۔ غالباً حدیث میں ہے یا کسی بزرگ کا قول ہے النظر سھم من سھام ابلیس (نظر شیطان کے تیروں میں سے ایک تیر ہے)۔

بعض صوفیاء میں غلو:

اور زیادہ افسوس یہ ہے کہ میں نے بعض درویشوں کو دیکھا ہے کہ ان کے پاس ایک ایک لڑکا پلا ہوا ہے اور کہتے ہیں ان کے حسن میں خدا کا حسن جلوہ گر ہے (شیطان کی کیسی بھیانک چال ہے)۔ حضرت شیخ سعدیؒ نے لکھا ہے کہ بقراط نے ایک شخص کو ناچتے ہوئے دیکھا، پوچھا اس کو کیا ہوا؟ معلوم ہوا کسی امرد حسین کو

دیکھ کر بے خود ہو گیا کہ اس میں جلوہ حق نظر آیا۔ بقراط کہنے لگا کہ اس کو امرد میں تو جلوہ حق نظر آیا میرے اندر کبھی نظر نہ آیا۔

امامت امرد:

اسی طرح اجنبی عورت (لڑکی) یا امرد مشتہی (جس لڑکے کی طرف شہوت ہو، اس کے علاوہ اگر کوئی نابالغ بچہ یا بچی بھی ہو جس سے شہوت کا خطرہ ہو) سے گانا سننا، یہ ایک قسم کی بدکاری ہے۔ کسی کی آواز سننے میں نفس کی شرکت ہو (نفس کو مزہ آئے) تو اس سے قران سننا بھی جائز نہیں۔ اکثر لوگ لڑکوں کو نعت کی غزلیں یاد کرا دیتے ہیں یہ بھی جائز نہیں ہے۔ فقہاء نے یہاں تک لکھا ہے کہ اگر بے ریش لڑکا (Beardless boy) مرغوب طبع ہو (اس کو دیکھ کر یا سن کر نفس کو تسکین ملتی ہو) تو اس کی امامت بھی مکروہ ہے۔ اور نابالغ کے پیچھے تو نماز ہی نہیں ہوتی۔

غرض فقہاء نے جب محل شہوت (جہاں شہوت پیدا ہو) میں قرآن سننا گوارہ نہیں تو غزلیات وغیرہ پڑھانے کی اجازت کب ہو سکتی ہے۔ افسوس کہ شریعت سے بے پروائی کی وجہ سے ان امور کا خیال نہیں کیا جاتا۔ (خطبات، حضرت تھانویؒ)

علماء اور فقہاء کی احتیاط:

علامہ ابن جوزیؒ فرماتے ہیں ''فقیہ وہ ہے جو اسباب اور نتیجوں پر غور کرے مثلاً امرد پر نگاہ ڈالنا مباح ہے بشرطیکہ ہیجان شہوت سے بے خوف ہو اور اگر شہوت کا خوف ہو تو جائز نہیں۔ اسی طرح چھوٹی لڑکی کا منہ چومنا جو تین برس کی ہو جائز ہے۔ کیونکہ ایسی جگہ اکثر شہوت واقع نہیں ہوتی۔ اور اگر شہوت پائی جائے تو حرام ہے۔ علیٰ ہذا القیاس محرم عورتوں کے ساتھ تنہا ہونے میں اگر شہوت کا خوف ہو تو حرام ہے۔''
(ص ۲۳۳، تلبیس ابلیس)

علامہ ابن جوزیؒ اپنی کتاب تلبیس ابلیس اور ذم الھوئی میں ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ ایک دفعہ خدمت نبوی ﷺ میں قبیلہ قیس کے کچھ لوگ وفد کی شکل میں حاضر ہوئے اس وفد میں ایک بے ریش حسین نوجوان لڑکا بھی تھا، اور لوگوں کو تو آنحضرت ﷺ نے سامنے بٹھایا، جیسا دستور ہے مگر اس لڑکے کو سامنے بیٹھنے کی اجازت نہیں دی بلکہ اپنی پشت کی طرف بٹھایا اور ارشاد فرمایا گناہ نگاہ کی آزادی میں ہے۔ (یہ حدیث حافظ ابن قیم اور امام ابن تیمیہؒ نے بھی نقل کی ہے)۔

دوسری حدیث اس طرح سے ہے: شاہزادوں کی ہم نشینی اختیار نہ کرو اس وجہ سے کہ نفس جس قدر ان کی طرف مائل ہوتا ہے، لڑکیوں کی طرف بھی مائل نہیں ہوتا۔ (امام ابن تیمیہؒ نے بھی یہ حدیث علامہ ابن جوزیؒ کے حوالے سے نقل کی ہے، تفسیر النور ص ۵۹)

ایک اور حدیث اس طرح ہے: جو شخص کسی امرد لڑکے کو بے قراری کے ساتھ گھورے گا، اللہ تعالیٰ اسے چالیس سال جہنم کی آگ میں جلائے گا۔ (ایضاً)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کا بیان ہے کہ مالداروں کے لڑکوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے میں احتیاط کرنی چاہئے، کیونکہ یہ اپنی صورت و شکل اور پوشاک (لباس) کی وجہ سے سراپا فتنہ ہوا کرتے ہیں، اور ایسے مہلک فتنے کہ بسا اوقات عورتوں سے بڑھ کر ثابت ہوتے ہیں اور آدمی اپنے ہوش و حواس کھو دیتا ہے۔ (مفتاح الخطابة)

مولوی حضرات یہ کام کرتے ہیں؟

اکثر حضرات کا یہ نظریہ ہے کہ اس کام (لواطت) میں سب سے زیادہ مولوی حضرات ملوث ہیں۔ اگر آپ کا بھی یہی نظریہ ہے ؛تو نہ تو میں آپ کی تائید کروں گا اور نہ تردید میں یہاں دو تین باتیں کلئیر کر دوں پہلی بات تو یہ کہ مولوی ہوتا کون ہے؟

اگر میں یہ کہوں کہ مولوی یہ کام نہیں کرتے تو یہ ایک صریح جھوٹ اور بیجا طرف داری ہے۔ اور اگر میں یہ کہوں کہ مولوی ہی یہ کام کرتے ہیں (یعنی زیادہ تر مولویوں ہی سے یہ جرم سرزد ہوتا ہے) تو یہ بات بھی غلط ہے۔ یہ ان پر بیجا تنقید کے زمرے میں آجائے گی۔ تو پھر؟" صحیح، حقائق پر مبنی سیدھی سادھی بات (یا Statement) یہ ہے کہ مولوی بھی یہ کام کرتے ہیں۔" جس طرح اور جرائم ہیں مثلاً زنا، چرس، شراب، چوری، قتل وغیرہ ان سب جرائم کو مولویوں ہی سے منسوب کرنا یا یہ کہنا کہ مولوی یہ جرائم کرتے ہی نہیں تو یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔

مدارس میں پڑھانے والے اساتذہ، اسکول کے ٹیچر، کالج کے پروفیسر، یا ٹیوشن پڑھانے والوں کو ہم ایک ہی کیٹا گری (جماعت) شمار کریں گے کیونکہ ان ہی لوگوں کا واسطہ چھوٹے لڑکے، لڑکیوں اور بچوں سے پڑتا ہے، زیادہ تر۔ اس ساری بحث کو ایک جملے میں یوں سمیٹا جا سکتا ہے کہ جن حضرات کا تعلق شعبہ تدریس سے ہو (خواہ وہ مولوی حضرات ہیں، قاری ہیں، اسکول، کالج یا یونیورسٹی کے ٹیچر ہیں، ٹیوشن پڑھاتے ہیں) یا وہ نوعمر لڑکوں، لڑکیوں اور بچے بچیوں سے قریب ہوں تو وہ اس جرم کا ارتکاب زیادہ کریں گے۔ کیونکہ یہ ایسی جگہیں ہیں جہاں پر اس قسم کی آزمائشیں زیادہ آتی ہیں۔ میں آپ کی توجہ کیڈٹ اسکولز اور کیڈٹ کالجز کی طرف بھی دلاتا ہوں کہ یہ غلیظ کام یہاں بھی بہت زیادہ ہوتا ہے اس کے علاوہ فوجی چھاؤنیوں میں رہنے والے فوجیوں کی ایک کثیر تعداد اس جرم میں ملوث ہوتی ہے۔ پولیس والے بھی اس کام میں آگے آگے ہوتے ہیں اگر میری بات پر یقین نہیں تو ایک دو دن اڈیالہ جیل (راولپنڈی) میں رہ کر آجائیں حقیقت آپ پر واضح ہو جائے گی۔ اسکول، کالج اور یونیورسٹیوں کے ہاسٹلز میں یہ کام اپنے عروج پر پہنچا ہوا ہے۔

اصل میں ہماری ایک نفسیات (سائیکی) بن چکی ہے کہ جہاں مولوی، علماء یا مذہب سے تعلق رکھنے والوں

کے خلاف کوئی بات منظر عام پر آتی ہے تو اسے بہت چڑھاوا دیا جاتا ہے لیکن جہاں بددین لوگوں کی بات آتی ہے وہاں پر ہم کان اور آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ ایک قسم کی نفرت اکثر لوگوں کے دلوں میں مولویوں اور مذہبی حلقوں کے خلاف شعوری یا لاشعوری طور پر پائی جاتی ہے۔ اگر کسی مذہبی جماعت کے سیاسی لیڈر سے کوئی غلطی ہو جائے تو اسے میڈیا والے اور عام لوگ بہت اچھالتے ہیں لیکن ایک بددین سیاسی لیڈر کی غلطیاں اور بڑے بڑے جرائم لوگ بھول جاتے ہیں۔

تھانوی صاحبؒ نے ایک بڑی زبردست بات کی ہے کہ "مولوی جاہل نہیں ہوتے بلکہ اکثر جاہل، مولوی مشہور ہو جاتے ہیں۔" بعض ایسے قاری ہوتے ہیں جو مکمل طور پر پیسے کی ہوس کا شکار ہوتے ہیں ان کا دین سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا صرف قرآن حفظ کیا ہوتا ہے جس کے ذریعے روزی کماتے ہیں۔ محض چند پارے یا قرآن حفظ کرنے سے کوئی مولوی نہیں بن جاتا۔ اگر کوئی ایسا مولوی ہے جو لڑکے لڑکیوں کو بلا تخصیص قرآن پڑھاتا ہے، تو وہ مولوی ہی نہیں۔ ایک لڑکی کسی غیر مرد سے نہ تو ٹیوشن پڑھ سکتی ہے اور نہ ہی قرآن۔ "حضرت میمون بن مہرانؒ فرماتے ہیں کہ تین چیزوں میں اپنے آپ کو کبھی مبتلا نہ کرو۔ جس میں سے ایک یہ ہے کہ اجنبی عورت کے پاس نہ جاؤ اگرچہ تم کہو کہ میں اس کو قرآن پاک کی تعلیم دوں گا (ذم الھویٰ)۔"

ابھی میں نے پولیس والوں کا تذکرہ کیا تھا مندرجہ ذیل خبر سے ان کی ذہنیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

<u>پولیس کا حال:</u>

چکوال (نامہ نگار) ڈسٹرک اینڈ سیشن جج چکوال، نے تھانہ سٹی پولیس چکوال اے ایس آئی سمیت تین اہلکاروں کی طرف سے گھر میں داخل ہو کر نوجوان کو غیر قانونی طور پر حبس بیجا میں رکھنے پر مقدمہ درج کرنے کا حکم دیا تھا۔ جس پر تھانہ سٹی پولیس چکوال نے تینوں اہلکاروں کے خلاف مقدمہ درج کر لیا "ع" نے اپنے وکیل کے ذریعے درخواست دائر کی کہ اے ایس آئی نے رات کو اس کے گھر میں داخل ہو کر اس کو گرفتار کیا اور ہوٹل کے کمرے میں بند کر دیا۔ اے ایس آئی نے اس کے ساتھ بداخلاقی کی بھی کوشش کی۔ انکار کرنے پر دو پولیس اہلکاروں اور کانسٹیبل نے اس کو مار مار کر ادھ موا کر دیا، سائل کے شور پر باہر آدمی اکٹھے ہو گئے اور جونہی پولیس اہلکاروں نے دروازہ کھولا تو سائل نے

بھاگ کر بڑی مشکل سے جان بچائی۔عدالت نے دلائل سننے کے بعد اے ایس آئی سمیت دو دیگر اہکاروں کے خلاف مقدمہ درج کرنے کا حکم دیا تھا جس پر تھانہ سٹی چکوال نے مقدمہ درج کرلیا۔
(روزنامہ خبریں، جمعہ ۹ فروری، ۲۰۰۷)

گھریلو جھگڑوں کا بچوں پر اثر

گھریلو ناچاقی اور روز روز کے جھگڑے بچوں کے دل و دماغ پر برے اثرات مرتب کرتے ہیں۔بہت سے بچے ایسے ہوتے ہیں جو اپنے گھروں سے بھاگ کر برے لوگوں کے چنگل میں پھنس جاتے ہیں۔بچوں کی بہتر ذہنی اور جسمانی نشوونما کے لیے ضروری ہے کہ گھر کا ماحول اچھا ہو۔والدین کو چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کو اعتماد میں لیں۔ان کو اپنے سے اتنا دور مت کریں کہ وہ اپنے مسائل آپ کو نہ بتائیں اور اپنا غم خوار کسی اور کو تلاش کریں۔اچھی پرورش کہ لیے مالدار ہونا ضروری نہیں،اصل چیز والدین اور بچوں کی ذہنی ہم آہنگی ہے۔اگر ذہنی ہم آہنگی کا فقدان ہو تو بچے کے خراب ہونے کے زیادہ امکانات ہوتے ہیں خواہ وہ بچہ امیر ترین خاندان سے تعلق رکھتا ہو یا غریب ترین خاندان سے۔بیجا مار پیٹ بچوں کو والدین سے باغی کردیتی ہے اور وہ راہ فرار ڈھونڈتے ہیں۔اس بات کا خیال والدین کو بھی رکھنا چاہیے اور اساتذہ کو بھی۔
مولانا محمد حنیف اپنی کتاب ''مثالی باپ'' میں لکھتے ہیں:
جو بے تحاشہ مارنے پیٹنے کی ریت (دستور) ہے یہ کسی طرح بھی جائز نہیں اور بعض اوقات اس مار پیٹ میں

خون نکل آتا ہے، زخم ہوجاتا ہے یا نشان پڑ جاتا یہ عمل اتنا بڑا گناہ ہے کہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرمایا کرتے تھے ''کہ مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ اس گناہ کی معافی کی کیا شکل ہوگی؟ اس لیے کہ اس گناہ کی معافی کس سے مانگے؟ اگر بچے سے مانگے تو وہ نابالغ بچہ معاف کرنے کا اہل نہیں، اس لیے کہ اگر نابالغ بچہ معاف بھی کردے تو شرعاً اس کی معافی کا اعتبار نہیں اس لئے اس کی معافی کا کوئی راستہ سمجھ نہیں آتا، یہ اتنا خطرناک گناہ ہے۔''

بچوں کو سزا کیسے دی جائے؟

اس کے لیے تھانوی صاحبؒ نے ایک عجیب نسخہ بتایا، فرماتے ہیں ''جب کبھی اولاد کو مارنے کی ضرورت محسوس ہو یا اس پر غصہ کرنے کی ضرورت محسوس ہو، تو جس وقت غصہ آرہا ہو اس وقت نہ مارو، بلکہ بعد میں جب غصہ ٹھنڈا ہوجائے تو اس وقت مصنوئی غصہ پیدا کرکے مارلو، اس لئے اگر طبعی غصہ کے وقت مارو گے تو پھر حد پر قائم نہیں رہو گے، بلکہ حد سے تجاوز کر جاؤ گے کیونکہ ضرورتاً مارنا ہے اس لیے مصنوئی غصہ پیدا کرکے پھر مارلو تاکہ اصل مقصد بھی حاصل ہوجائے اور حد سے گزرنا بھی نہ پڑے۔''

میں ابھی ابھی ریڈیو پاکستان کراچی اسٹوڈیو سے نشر ہونے والا پروگرام ''یہ بچہ کس کا ہے'' سن رہا ہوں اس میں ایک بچے کا تعارف کرایا گیا جس کا نام نقاش ہے۔ اس کی عمر ۱۲ سال ہے، چھٹی جماعت کا طالب علم ہے۔ بچہ کا کہنا ہے کہ اس نے اسکول سے تین دن کی چھٹی کی تھی جس پر ابو نے بہت مارا پیٹا اس لیے میں گھر سے بھاگ گیا۔ یعنی باپ کی مار پیٹ کی وجہ سے یہ بچہ سیالکوٹ سے کراچی پہنچ گیا۔ اب یہ بچہ چائلڈ ہوم، کورنگی سینٹر کراچی میں ہے اور چار پانچ مہینوں سے اپنے گھر والوں سے دور ہے۔ (ریڈیو پاکستان، کراچی اسٹوڈیو، بتاریخ ۲۴ فروری، ۲۰۰۷)

اللہ کے واسطے جابر و حاکم باپ نہ بنئے:

باپ کی مثال بچے کے لئے ٹھنڈی چھاؤں کی ہے۔ اولاد کو اگر کسی پر مکمل اعتماد ہے تو وہ باپ ہی ہے۔ اولاد اگر مخلوق میں سے کسی کو قوی اور طاقتور سمجھتی ہے تو وہ باپ کی ذات ہے۔ یہی وجہ کہ غریب سے غریب اور کمزور سے کمزور آدمی کا بچہ بھی جب کسی بچے سے لڑتا ہے اور خود کو کمزور محسوس کرتا ہے یا کسی کو اپنے اوپر ظلم کرتے ہوئے دیکھتا ہے تو کہتا ہے ''میں اپنے ابو سے کہہ دونگا'' اسی طرح سب سے مالدار اپنے ہی باپ کو

سمجھتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر پسندیدہ چیز کے لئے ضد کرتا ہے، وہ باپ کی مجبوریوں کو نہیں جانتا۔

برائے مہربانی ان پھول جیسے بچوں کی خواہشات کو اپنی سخت مزاجی اور بداخلاقی سے پامال نہ کیجئے کہ گھر میں داخل ہوتے ہی چیخنا چلانا شروع کردیں اور جو معصوم بچے آس لگائے بیٹھے تھے کہ ابو آئیں گے تو ہمارے لیے کوئی کھانے کی چیز لائیں گے .... ہمیں کہیں گھمانے لے کر جائیں گے..........وغیرہ ان کی امیدوں پر آپ پانی پھیر دیں اور وہ بیچارے خوف کے مارے خاموشی سے ایک کونے میں جا چھپیں۔ اسی طرح اگر بچے کی کسی غلطی پر آپ یوں کہیں کہ اگر اب تم نے یوں کیا تو؟..........یا کتنی بار سمجھایا ہے تجھے مگر تو.....، تو یہ بچہ آپ کو بجائے مصلح اور مشفق سمجھنے کے ظالم سمجھے گا اور اگر آپ کا رویہ مستقل اسی طرح رہا تو اس کے بھیانک نتائج برآمد ہونگے۔ (مثالی باپ، ص ۱۱۸)

اساتذہ (ٹیچرز) کی مار دھاڑ:

اسلام آباد (بیورو رپورٹ) اسکول میں ''مار نہیں پیار'' کا حکومتی نعرہ ڈھکوسلا ثابت ہوا ہے آج بھی اسلام آباد جیسے انٹرنیشنل شہر میں بچوں پر ٹارچر کیا جاتا ہے۔ کوہسار رپورٹ کے مطابق جی سیون ٹو میں ایک ورک شاپ پر کام کرنے والے دس سالہ بچے صدیق نے بتایا کہ وہ اسکول میں پڑھتا تھا۔ میڈم کی مار سے تنگ آکر اسکول چھوڑ دیا اور اب اپنے عزیز کے ساتھ یہاں گاڑیوں کی ورکشاپ میں کام کرتا ہوں۔ میں نے اسکول سے صرف تین دن کی چھٹی کی تھی۔ میڈم نے پہلے مارا اور پھر اسکول سے نکال دیا۔ بچے نے کہا کہ میں پڑھنا چاہتا ہوں لیکن ایسے میں ''جہاں مار نہیں پیار ہو'' (روزنامہ کوہسار، ۱۹ فروری، ۲۰۰۷)

داڑھی

کیا؟ کیوں؟ کب؟ کس لیے؟ کس طرح؟ کیا وجہ؟ فرض؟ سنت؟ واجب؟ مستحب؟ مباح یا مندوب؟

اس ٹاپک پر بات کرنے سے پہلے میں کچھ باتوں کی وضاحت کروں گا۔ سب سے پہلے تو ہمیں یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ نیچر (Nature)، فطرت یا فطرت سلیمہ سے کیا مراد ہے؟

فطرت کا مسخ ہو جانا (Denaturalization) کیا ہے؟

اپنے جسم کو چھپانا انسانی فطرت ہے، یہ تعلیم اگر بچے کو دی جائے یا نہ دی جائے، وہ اپنا جسم ننگا نہیں کرے گا۔ کیونکہ جسم کا چھپانا انسانی فطرت ہے۔ اس طرح گوشت کھانا شیر کی فطرت ہے، گائے چارہ وغیرہ کھاتی ہے، بلی چوہے کو کھا جاتی ہے۔ یہ سب فطرت کی مثالیں ہیں۔ اگر کوئی ایسا شیر ہو جو گوشت کی جگہ گھاس کھائے تو ہم کہیں گے کہ یہ اپنی فطرت کے خلاف عمل کر رہا ہے، اس کی فطرت سلیم (صحیح سلامت) نہیں رہی، اس کی اصل فطرت مسخ (Destroy) ہو گئی ہے۔

اس ہی طرح انسان کی بھوئیں فطری طور پر اگتی ہیں۔ اب اگر کوئی ان کو کاٹ دے اور اس کو خوبصورتی قرار دے تو ہم اس کی عقل پر شک کریں گے۔ اور اس سے پوچھیں گے کہ تم اپنی شکل کو کیوں بگاڑتے ہو، اپنے فطری حسن (نیچرل بیوٹی، Natural beauty) کو کیوں پامال کرتے ہو؟ تمہیں بھوئیں صاف کرنے کا مشورہ کس عقل مند نے دیا؟

بھوؤں کا کاٹنا ایک غیر فطری عمل ہے۔ بالکل اس ہی طرح مرد کے چہرے پر داڑھی کا اگنا ایک فطری عمل ہے اور اس کو کاٹنا ایک غیر فطری (unnatural) عمل ہے۔ اگر میں اپنی بھوؤں پر بلیڈ پھیر کر آپ کے سامنے آؤں اور آپ سے پوچھوں کہ آپ نے بھوئیں کیوں رکھی ہیں؟ تو آپ جواب میں لازماً کہیں گے کہ "اے بیوقوف آدمی بھوئیں رکھی نہیں جاتیں بلکہ یہ فطری طور پر اگتی ہیں، اور سوال مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو سوال تو مجھے تم سے پوچھنا چاہیے کہ تم نے کس خوشی میں اپنی بھوئیں کاٹیں؟"

بالکل اس ہی طرح داڑھی قدرتی طور پر اگتی ہے اور اس کو کاٹنا ایک غیر فطری (Unnatural) عمل ہے۔ لیکن افسوس آج کل کے دور میں اس کو لوگوں نے عجوبہ بنا دیا ہے اور بیچارے علماء کو لعن طعن کرتے ہیں۔

ان سے بے تکے سوال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ تنگ نظر ہیں۔

ایک مثال:

مرد کا مرد سے شادی کرنا ایک غیر فطری بات ہے۔ فطرت کا تقاضہ یہ ہے کہ مرد اور عورت آپس میں شادی کریں۔ اب اگر (خدانخواستہ) مرد مرد کی شادی عام ہو جائے تو کیا یہ چیز فطری ہو جائے گی؟ اس کا جواب یقیناً نفی میں ہوگا۔ کوئی غیر فطری (Unnatural) بات صرف اس وجہ سے فطری یا نیچرل (natural) نہیں ہو جاتی کہ اس کو بالعموم کیا جانے لگے۔

چلیں فرض کرتے ہیں کہ مرد سے مرد کی شادی کا رواج عام ہو جاتا ہے (خدانخواستہ، ویسے یورپ میں تو یہ بات عام ہو رہی ہے اور ہم ان کی تقلید کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں) اس بات کو سو دو سو سال گزر جاتے ہیں۔ ایک ایسی سوسائٹی وجود میں آتی ہے جہاں ساٹھ فیصد مردوں نے مردوں ہی سے شادی کی ہوئی ہے۔ اس ہی سوسائٹی میں کچھ نئے بچے پیدا ہوتے ہیں اور اس ہی معاشرے میں پل کر جوان ہوتے ہیں۔ ان سب کے ذہن میں یہ بات ہوگی کہ مرد سے مرد کا شادی کرنا کوئی ناجائز، غیر فطری یا گناہ کی بات نہیں ہے۔ ان ہی نوجوانوں میں سے کسی کے کان میں یہ بات پڑ جاتی ہے کہ مرد کا مرد سے شادی کرنا بہت بڑا گناہ ہے اور یہ چیز بالکل غلط ہے۔ اب وہ لڑکا اپنی سوسائٹی میں یہ بات کرتا ہے تو کوئی اس بات کی تصدیق کرتا ہے، کوئی پرزور مذمت کرتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ "مرد مرد آپس میں شادی کر سکتے ہیں لیکن سنت یہ ہے کہ مرد عورت سے شادی کرے۔" غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔ اب اس جوان میں حقیقت جاننے کا شوق پیدا ہوتا ہے اور یہ اس وقت کے ایسے عالم کے پاس چلا جاتا ہے جو واقعی میں عالم دین ہے۔ تب جا کر اس پر واضح ہوتا ہے کہ فرض، سنت یا مباح تو بہت دور کی بات ہے، اصل میں مرد کا مرد سے شادی کرنا نہ تو فطری بات ہے اور اسلام نے تو کیا کسی اور مذہب نے بھی اس کی اجازت نہیں دی ہوگی۔ اور اسلام کو تو ہم دین فطرت کہتے ہیں۔ پھر اس میں اتنا بڑا فطری انحراف کہاں سے آیا؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگوں کی اپنی ہی بنائی ہوئی باتیں ہیں جن کو سچا ثابت کرنے کے لیے یہ لوگ قرآن وحدیث کی تشریح اپنے آپ سے کرتے ہیں۔

میرے بھائی! بالکل یہی حال اس بچاری داڑھی کا بھی ہے۔ یقیناً آپ سوچ رہے ہوں گے کہ ان مصنف صاحب کو کیا ہو گیا ہے کہاں کی بات کہاں لگا رہے ہیں۔ آپ کا غصہ بجا ہے کیونکہ جس زمانے میں داڑھی کو

عین فطری چیز سمجھا جاتا تھا اس کو آٹھ نو سو سال بیت چکے ہیں!
اب میں بغیر کسی قرآنی آیت، حدیث یا فقہ کا حوالہ دیے بغیر یہ ثابت کرتا ہوں کہ جس طرح ہم کسی سے یہ نہیں پوچھتے کہ آپ نے بھوئیں کیوں رکھی ہیں، اس ہی طرح پہلے داڑھی کے متعلق نہیں پوچھا جاتا تھا کہ آپ نے کیوں رکھی ہے، اس کے برعکس جس کے چہرے پر نہ ہو اس سے کراہت محسوس کی جاتی تھی۔
آیئے میں آپ کو علامہ ابن جوزیؒ کی کتاب ''اخبار الحمقیٰ والمغفلین'' کے کچھ حوالہ جات پیش کرتا ہوں جس سے یہ بات سچ ثابت ہو جائے گی۔
پہلے علامہؒ کا مختصر سا تعارف کرا دوں، علامہ ابن جوزیؒ چھٹی صدی ہجری کے ایک بہت بڑے عالم دین، محدث اور فقیہ تھے۔ بغداد میں ۱۱۲۶ عیسوی کو پیدا ہوئے۔ امام ابن تیمیہؒ ان کے بارے میں کہتے ہیں'' میں نے ان کی کتابوں کا شمار کیا تو ہزار سے زیادہ پایا اور بعد میں ان کی مزید کتابیں دیکھیں جو پہلے نظر سے نہیں گزری تھیں۔'' علامہؒ کا کہنا ہے کہ میں نے پہلی کتاب ۱۳ سال کی عمر میں لکھی۔

<u>حوالہ جات یہ ہیں:</u>

ابن مزربان سے مروی ہے کہ ہمیں ایک ادیب نے بتایا کہ ایک عراقی اور شامی میں لڑائی ہوئی تو عراقی نے اسے کہا کہ اللہ تیری داڑھی مونڈے تو شامی نے آگے سے کہا کہ میں انشاءاللہ۔ (اخبار الحمقیٰ)
ایک والی مزید ابو اسحاق المدنی پر غضب ناک ہو گیا تو نائی کو حکم دیا کہ اس کی داڑھی کاٹ دو۔ نائی نے اسے کہا کہ اپنے جبڑے پھیلاؤ تا کہ میں آرام سے کاٹوں۔ اس نے کہا کہ والی نے تجھے میری داڑھی مونڈنے کو کہا ہے یہ نہیں کہا کہ تو مجھے بانسری سکھائے۔ (فوات الوفیات لا ابن شاکر الکتبی)
اوپر کے دونوں واقعات سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ اس زمانے میں داڑھی کاٹنے کا سرے سے کوئی رواج ہی نہیں تھا۔ بلکہ اس فعل سے کراہت کی جاتی تھی یا سزا کے طور پر منڈوائی جاتی تھی۔ اس کے برعکس آج کل داڑھی رکھنے سے کراہت کی جاتی ہے (کیونکہ اصل فطری جذبات مسخ ہو گئے ہیں)۔
اس ہی کتاب میں ایک بیوقوف شخص کا تذکرہ کرتے ہوئے علامہؒ لکھتے ہیں:
ایک دن عبادہ بازار جانے کے لیے نکلا اس نے ایک راستے پر ایک لمبی داڑھی والے بوڑھے کو دیکھا وہ جب بات کرنا چاہتا اس کی داڑھی آگے آ جاتی وہ کبھی اسے گریبان میں ڈالتا اور کبھی اسے گھٹنے کے نیچے دبا

لیتا (یعنی بہت زیادہ لمبی داڑھی تھی)۔عبادہ نے اسے کہا بابا جی آپ نے داڑھی اس طرح کیوں چھوڑی ہوئی ہے۔بوڑھے نے کہا کیا تو یہ چاہتا ہے کہ میں اسے نوچ لوں تا کہ تیری داڑھی کی طرح ہو جائے تو عبادہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں قد افلح من زکھا وقد خاب من دسھا، اور رسول ﷺ نے فرمایا کہ مونچھ کاٹو اور داڑھی بڑھاؤ اور داڑھی بڑھانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا اثر نظر آئے۔بوڑھے نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا، میں اسے اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق کرلونگا، پھر اس نے اپنی داڑھی مونڈ دی اور اپنی دکان پر بیٹھ گیا پھر جو کوئی اسے دیکھ کر پوچھتا، وہ اسے قرآنی آیت اور حدیث نبوی سناتا۔(اخبار الحمقیٰ، یعنی بیوقوفوں کے واقعات، ص۲۲۰)

اس واقعہ میں آپ غور کریں تو پتہ چلے گا کہ بوڑھے کا یہ کہنا کہ ''کیا تو یہ چاہتا ہے کہ میں اسے نوچ لوں تا کہ تیری داڑھی کی طرح ہو جائے۔'' سے ثابت ہو رہا ہے کے ٹوکنے والے شخص کی بھی داڑھی تھی لیکن بوڑھے کی داڑھی سے چھوٹی تھی۔دوسری بات یہ کہ ''پھر جو کوئی اسے دیکھ کر پوچھتا تو وہ اسے قرآنی آیت اور حدیث نبوی ﷺ سناتا'' سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ لوگ جب ایک داڑھی منڈے شخص کو دیکھتے تو حیرانگی کا اظہار کرتے۔اور حیرانگی کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ پہلے داڑھی کاٹنے کا رواج بالکل نہیں تھا۔ یہ بات بھی قابل غور ہے علامہ ابن جوزیؒ نے داڑھی مونڈنے والے شخص کا تذکرہ ''بیوقوف'' کے طور پر کیا ہے۔

اس ہی کتاب کا ایک اور واقعہ ملاحظہ فرمائیں: اصمعی کہتے ہیں کہ میں نے ایک دیہاتی کو سردی میں بیٹھے نماز پڑھتے دیکھا وہ یہ کہہ رہا تھا: اے اللہ میں تجھے اپنا عذر پیش کرتا ہون کہ میں بغیر وضو بیٹھ کر اور اشارہ سے قبلہ رخ ہو کر کیوں نماز پڑھ رہا ہوں۔اے میرے رب ٹھنڈا پانی استعمال کرنے کی مجھ میں طاقت نہیں اور میری ٹانگوں میں گھٹنوں کو بل دینے کی طاقت نہیں لیکن میں نے بڑی مشکل سے اسے ادا کیا اور میں اسے صحیح ادا کر کے دکھاؤں گا اگر میں گرمی میں زندہ رہا اور اس وقت اگر نہ کروں تو تجھے اختیار ہے کہ مجھے گنجا کر دے یا میری داڑھی نوچ لے۔(ص۱۴۳)

چور کی داڑھی میں تنکا:

ایک کہاوت مشہور ہے ''چور کی داڑھی میں تنکا'' اس کہاوت کے پیچھے ایک قصہ چھپا ہوا ہے جو پیش خدمت

ہے:

''ایک قاضی صاحب نے تمام لوگوں جن پر چوری کا شبہ تھا ایک جگہ کھڑا کر دیا اور وزیر کو چپکے سے سمجھایا کہ جو شخص اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرے اس کو پکڑ لینا۔ اب سارے لوگ قاضی صاحب کے انتظار میں کھڑے ہو گئے کہ وہ کیا فیصلہ کرتے ہیں۔ اس ہی دوران قاضی صاحب مجمع کے سامنے آئے اور با آواز بلند پکار اٹھے ''چور کی داڑھی میں تنکا!'' ان کا یہ کہنا تھا کہ چور، جو اس ہی مجمع میں موجود تھا اس نے فوراً اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا۔ اس طرح وہ پکڑا گیا۔''

یہ واقعہ یہاں بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس میں ایک علمی نکتہ چھپا ہوا ہے وہ یہ کہ جس زمانے میں یہ واقعہ پیش آیا اس زمانے میں شائد ہی کوئی داڑھی منڈا ہو۔ اب آپ پوچھیں گے کہ میں یہ دعوہ کیسے کر سکتا ہوں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس مجمع میں کوئی کلین شیو شخص ہوتا تو قاضی صاحب یہ سیاست چلتے ہی نہیں کیونکہ چور کلین شیو بھی تو ہو سکتا تھا! قاضی صاحب کا کلیہ کامیاب ہی اس وجہ سے ہوا کہ پورے مجمع میں ایک شخص بھی داڑھی منڈا نہیں تھا۔

<u>عیسائی پادری اور داڑھی:</u>

اسپین کے بادشاہ ''فلپ روم'' (1556-1598ء) نے ایک بے ریش نوجوان کو بطور سفیر پوپ کے پاس بھیجا۔ پوپ نے بگڑ کر بادشاہ کو لکھا: ''ہمیں یہ دیکھ کر رنج ہوا کہ تم نے ایک بے ریش نوجوان کو سفیر بنا کر ہمارے ہاں بھیجا۔ کیا تمہارے پاس تجربہ کار، عمر رسیدہ داڑھیوں والے مدبر نہ تھے؟

بادشاہ نے جواب دیا: ''اے مقدس باپ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ آپ داڑھی کو اس قدر اہمیت دیتے ہیں تو میں اس نوجوان کی جگہ کوئی بکرا بھیج دیتا۔'' (دانش عرب وعجم، ص ۲۱۲)

اس لطیفے سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ سولھویں صدی عیسوی کے اواخر تک داڑھی کو عیسائی پادریوں کے نزدیک بھی خاص اہمیت حاصل تھی۔ لیکن افسوس آجکل کے مسلمان اسے ایک عجیب چیز سمجھتے ہیں۔

<u>مقدار کا مسئلہ:</u>

ایک اور مسئلہ مقدار کا ہے کہ داڑھی کتنی ہونی چاہیے؟ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ داڑھی کی کوئی مقدار حدیث سے ثابت نہیں اس لیے جتنی بھی رکھ لو۔ اس بارے میں یہ عرض ہے کہ جب لوگوں نے یہ غیر فطری

کام شروع کیا تو اس وقت یہ سوال اٹھا کہ داڑھی کس حد تک کاٹنا جائز ہے؟ تو اس پر علماء مجتہدین نے کہا کہ داڑھی کی کم از کم مقدار ایک مشت ہے۔ یعنی ایک مشت تک داڑھی رکھنا واجب ہے اور اس سے زائد حصہ کاٹ سکتے ہیں۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ "ایک مشت سے کم رکھنے کو کسی نے مباح قرار نہیں دیا۔" یعنی ایک مشت (ایک مٹھی) سے کم کرنا ناجائز ہے۔ اب مجھے یا آپ کو کیا اختیار کہ یہ کہیں کہ داڑھی کی کوئی مقدار نہیں۔ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ داڑھی کی کوئی مقدار حدیث سے ثابت نہیں اس لیے جتنی مرضی رکھ لو۔ ایسے حضرات سے میرا پہلا سوال تو یہ ہے کہ آیا یہ بات آپ کس بنیاد پر کہہ رہے ہیں؟ کیا آپ محدث ہیں؟ مجتہد ہیں؟ یا کوئی بہت بڑے فقیہ ہیں؟ اور اس فتویٰ پر آپ کو شک کیوں؟ یہ فتاویٰ تو اس وقت لکھے گئے جب دیوبندی، بریلوی، اہلحدیث یا وہابی کی سرے سے کوئی بحث ہی نہیں تھی نہ ہی اس زمانے میں مولانا مودودیؒ تھے، نہ مولانا یوسف لدھیانویؒ، نہ جماعت اسلامی تھی اور نہ ہی تبلیغی جماعت وجود میں آئی تھی اور نہ ہی کوئی تیسری۔ کیا فتاویٰ عالمگیری (جو آج سے سینکڑوں برس پہلے) جید علماء کرام اور مفتیان عظام نے ترتیب دیا تھا "تنگ نظر" یا "بے وقوف" تھے؟ ان کے پاس علم کی کمی تھی اور آپ کے پاس زیادہ علم ہے؟

اب آگے ذکر کرتا ہوں کہ حدیث سے داڑھی کی مقدار ثابت ہے (یہ اور بات ہے کہ آپ کو شائد نظر نہ آئے) اور اگر موجود نہیں بھی تو مقدار آپ مقرر کریں گے؟ اس طرح تو بہت سی چیزوں کی مقدار نہ قرآن میں ہے اور نہ ہی حدیث میں، حدیث میں یہ نہیں کہ چور کا ہاتھ کہاں سے کاٹا جائے، تراویح کی مقدار کسی بھی صحیح حدیث سے ثابت نہیں، حد خمر کے لیے کوئی نص شرعی موجود نہیں تو کیا داڑھی کی مقدار کی طرح ان احکامات میں بھی مسلمانوں کو یہ اختیار حاصل ہوگا کہ وہ اپنی پسند کے مطابق جو چاہیں اختیار کر لیں؟

میرے بھائی داڑھی کی کم از کم مقدار ایک مشت ہی ہے۔ اور "معروف معنوں" میں داڑھی رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک مشت سے کم نہ ہو۔ اب میں پھر ایک واقعہ پیش کرتا ہوں، حدیث یا فقہ کی بات اس لیے نہیں کر رہا کہ آپ جیسا "مجتہد" اس پر اعتراض کر سکتا ہے۔ واقعہ یہ ہے:

ہشام بن الکلبی کے بارے میں محمد بن ابی السری کہتے ہیں کہ مجھ سے ہشام نے کہا کہ میں نے حفظ بھی ایسا کیا کہ کسی نے ایسا نہ کیا ہوگا اور مجھ سے بھول بھی ایسی ہوئی کہ کسی سے نہ ہوئی ہوگی۔ میرے چچا ایسے تھے

کہ مجھ پر حفظ قرآن پر خفا ہوتے تھے تو میں ایک گھر میں داخل ہوا اور قسم کھائی کہ جب تک پورا قرآن حفظ نہ کرلوں گھر سے نہ نکلوں گا۔ تو میں نے تین دن میں پورا قرآن حفظ کرلیا (اور بھولنے کا یہ واقعہ پیش آیا) کہ ایک دن آئنہ میں اپنی صورت دیکھی (داڑھی زیادہ بڑھی ہوئی تھی) میں نے داڑھی کو مٹھی میں پکڑا تا کہ باہر بڑھے ہوئے بالوں کو مٹھی کے نیچے سے کاٹ دوں لیکن مٹھی سے اوپر کا حصہ کاٹ دیا (ایک مشت سے زیادہ بال کاٹنا چاہ رہے تھے لیکن غلطی سے پوری داڑھی کاٹ دی)۔ (کتاب الاذکیاء، مصنف علامہ ابن جوزیؒ)

یہ واقعہ علامہ ابن جوزیؒ کی مشہور کتاب ''کتاب الاذکیا'' سے لیا گیا ہے۔ اور میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ وہ نہ تبلیغی تھے، نہ بریلوی نہ اہلحدیث اور نہ ہی کسی مذہبی جماعت کے مخالف ہوں گے۔ وہ بیچارے تو آج سے آٹھ نو سو سال پہلے کے ایک جید عالم دین تھے اور مذکورہ کتاب میں انہوں نے عقلمندوں کے سچے واقعات جمع کیے ہیں۔

دوسری بات یہ کہ اگر آپ کی بات مان لی جائے کہ داڑھی کی کوئی مقدار نہیں تو پھر داڑھی تو اس شخص کی بھی ہے جس نے دو دن سے شیو نہیں کیا! اب آپ کہیں گے کہ نہیں اس کی داڑھی نہیں ہے۔ تو اب انکار کیوں کر رہے ہیں، آپ نے خود ہی تو کہا ہے کہ مقدار مقرر نہیں، اگر عدسہ لیکر اس کے چہرے کو قریب سے دیکھیں تو داڑھی با آسانی نظر آجائے گی!

ایک اور بات یہاں پر کلیر کردوں کہ اگر علماء کرام میں مقدار لحیہ یعنی داڑھی کی مقدار پر بحث ہے بھی تو اس پر ہے کہ ایک مشت سے زیادہ کتنی رکھ سکتے ہیں؟ کم از کم ایک مشت پر کسی نے بحث نہیں کی ایک بار پھر کان کھول کر سن لیں کہ داڑھی کی کم از کم مقدار ایک مشت ہے۔

فتح القدیر میں ہے کہ:

''لیکن داڑھی ترشوانا جب کہ ایک مٹھی سے کم ہو جیسا کہ بعض مغربی اور مخنث قسم کے مردوں کا فعل ہے تو اس کو کسی نے بھی مباح قرار نہیں دیا ہے۔'' (فتح القدیر مطبوعہ مصر، ج۲ ص ۷۷)

<u>ایک اور شبہ:</u>

ایک علمی شبہ جو یہاں پیدا ہوسکتا ہے وہ یہ کے جب داڑھی نہ کاٹنا عین فطرت ہے تو پھر زیر ناف بال کاٹنا یا

بغل کے بال (Undershaving) وغیرہ کاٹنا بھی غیر فطری ہوا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ بغل وغیرہ کے بال کاٹنا فطرت (نیچرل، Natural چیز) ہے۔اور داڑھی کا نہ کاٹنا فطرت ہے۔اب اس کی کیا دلیل تو قربان جایئے حضورﷺ پر اور ان کی لائی ہوئی شریعت پر، جس میں اس بات کا جواب بھی موجود ہے کہ کیا کاٹنا فطرت ہے اور کیا نہ کاٹنا فطرت ہے؟

ان احادیث کو بغور پڑھیں:

''حضورﷺ کا ارشاد ہے کہ یہ چیزیں فطرت کا تقاضہ ہیں ختنہ کرنا، زیرناف کے بال صاف کرنا،لبیں کٹانا،بغل کے بال لینا،ان سب کے لیے چالیس دن سے زیادہ چھوڑنے کی اجازت نہیں۔'' (صحیح مسلم)

''حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرتﷺ نے ارشادفرمایا کہ دس چیزیں فطرت میں داخل ہیں مونچھوں کا کٹوانا اور داڑھی کا بڑھانا،...... '' (صحیح مسلم)

ان احادیث سے صاف ظاہر ہوتا ہے بغل، زیرناف اور مونچھوں کے بال کاٹنا انسانی فطرت ہے اور داڑھی کا بڑھانا یاس کا نہ کاٹنا انسانی فطرت ہے۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں دین کی سمجھ نصیب فرمائے اور دین کے معاملے میں خودرائی سے بچائے۔ (آمین)

عورتوں سے مشابہت:

داڑھی کاٹنے کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ عورتوں سے مشابہت پیدا ہوتی ہے۔اور پھر یہ چیز ہم جنسیت کو فروغ دیتی ہے۔میرے اندازے کے مطابق اگر لوگ داڑھی کاٹنا چھوڑ دیں تو ہمارے معاشرے میں ہم جنسیت کی شرح ۷۰ فیصد تک کم ہوسکتی ہے۔عورتوں سے مشابہت کرنے والے پر اللہ کے رسولﷺ نے لعنت بھیجی ہے۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ رسولﷺ نے ان مردوں پر لعنت بھیجی ہے جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں۔ (بخاری، ترمذی)

حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتﷺ نے فرمایا کہ چار اشخاص ہیں جن پر دنیا وآخرت میں لعنت بھیجی جاتی ہے اور فرشتے آمین کہتے ہیں، (ان میں سے) ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مرد بنایا لیکن اس نے اپنے آپ کو مونث بنالیا اور عورتوں کے مشابہ ہوگیا۔ (ترغیب وترہیب ص ۳۹۴)

بچوں کی جسم فروشی

ایک چیز تو بچوں کے ساتھ جنسی تشدد ہے اور اس سے بھی بڑا تشدد یہ ہے کہ بعض بچے جسم فروشی میں بھی مبتلا پائے گئے ہیں۔ اس کے اسباب اور وجوہات تقریباً وہی ہیں جن کا تذکرہ پیچھے کیا گیا ہے اور کچھ آگے آرہا ہے۔ بچوں کی جسم فروشی پاکستان سمیت پوری دنیا میں ہوتی ہے۔ اور بعض بااثر لوگوں کا تو یہ دھندا ہے۔

این جی اوز کا کردار:

اس حوالے سے گورنمنٹ نے تو شائد ہی کچھ اقدام کیا ہو البتہ کچھ این جی اوز ہیں جو اس پر کام کر رہی ہیں لیکن یہ بات پوری دنیا جانتی ہے کہ جہاں مسلمانوں کی بات آئے وہاں تمام این جی اوز انسانی حقوق بھول جاتی ہیں۔ اور اکثر این جی اوز کا تو مقصد ہی اسلام کو بدنام کرنا، اس پر کیچڑ اچھالنا، عورت کی آزادی کے نام پر بے حیائی کو عام کرنا اور دوسرے فتنے کھڑے کرنا ہے جس کے بدلے انہیں کروڑوں اور اربوں ڈالر اپنے مغربی آقاؤں سے ملتے ہیں۔

ایک ساحل نامی این جی او ہے (جس کا ہیڈ آفس اسلام آباد میں ہے) کے کچھ رسالے پڑھنے کا اتفاق ہوا اور مجھے لگا کہ انہوں ان رسالوں میں کافی حد تک حقیقت لکھی ہے۔ لیکن یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ کچھ عرصہ قبل، بچوں پر جنسی تشدد کے حوالے سے ایک جھوٹی سروے رپورٹ شائع کی گئی تھی جس میں ان ہی این جی اوز نے مدارس پر دل کھول کر کیچڑ اچھالی اور اسلام دشمنوں سے داد وصول کی۔ ان کے رسالے کے کچھ اقتباسات (مختصراً) املاحظہ فرمائیں:

اس بھیانک جرم کی بنیادی وجوہات میں سے ایک وجہ غربت ہے۔ جو بچے براہ راست یا بلاواسطہ اس مکروہ پیشے سے منسلک کیے جاتے ہیں ان میں زیادہ تر کا تعلق غریب خاندانوں سے ہوتا ہے۔ دوسری اہم وجوہات میں گھریلو ماحول کا اثر یا گھریلو تشدد ہے جس کی وجہ سے بچہ گھر سے باہر زیادہ وقت گزارتا ہے اور کسی شیطان صفت شخص کے ہاتھ چڑھ کر جنسی تشدد کا نشانہ بن جاتا ہے۔ یہ وجوہات ترقی پذیر اور ترقی یافتہ ممالک دونوں میں یکساں ہیں۔ بعض ممالک میں جنسی مسائل سے متعلق گفتگو کرنے کی ممانعت یا لاعلمی کی صورتحال کی وجہ بھی بچوں کو غلط راستے پر لے جاتی ہے اور درندہ صفت افراد بچوں کی لاعلمی کا فائدہ اٹھا کر یا اس بارے میں آگاہی دینے کے بہانے ان کو جنسی مقاصد میں استعمال کرتے ہیں۔

جنسی استحصال کی بدولت بچے جسمانی اور نفسیاتی طور پر مختلف طریقوں سے متاثر ہو رہے ہیں۔ اکثر اوقات دیکھا گیا ہے کہ جنسی استحصال کا شکار ہونے والے بچوں کو بری طرح زدوکوب کیا جاتا ہے اور ان کے جسموں کو سگریٹ کے ساتھ داغا جاتا ہے یا پھر ان کو بری طرح پامال کیا جاتا ہے۔ جس سے وہ احساس کمتری، احساس گناہ، حقارت کا احساس، شرمندگی، بے خوابی، ناامیدی اور عدم تحفظ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یہ بچے لوگوں کا سامنا کرتے ہوئے گھبراتے ہیں۔ کسی بھی ماحول میں خود کو محفوظ خیال نہیں کرتے اور ان میں اپنی حفاظت خود کرنے کا احساس مردہ ہو جاتا ہے۔ ان کے دماغ میں یہ بات بیٹھ جاتی ہے کہ وہ کمزور اور حقیر ہیں۔ اس جرم کی زد میں آنے والے بچے اکثر اوقات خودکشی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یا پھر خود اس فعل کا ارتکاب کرنے لگتے ہیں۔ جبکہ دوسری جانب زیادتی کا نشانہ بننے کی وجہ سے وہ ایڈز یا دوسری مہلک بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں اگر ان سے زیادتی کرنے والا فرد اس قسم کی بیماریوں میں مبتلا ہو۔

(اداریہ، ساحل، شمارہ نمبر ۳۴، اکتوبر دسمبر، ۲۰۰۵)

عالمی سطح پر بچوں کا تجارتی جنسی استحصال

جسمانی اور نفسیاتی تشدد:

تحقیق سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ جنسی تجارت کے اس کاروبار سے منسلک ۸۰ فیصد تعداد اپنے ہی خاندان کے لوگوں کے ہاتھوں جسمانی اور نفسیاتی تشدد کا شکار ہوئی ہے۔ اور اس میں زیادہ تر وہ بچے شامل ہیں جو اپنے کسی دوست یا رشتہ دار کے ہاتھوں جنسی تشدد کا نشانہ بن چکے ہیں۔

پولیس کا کردار:

کرپشن میں ملوث پولیس اہلکار اور دیگر سرکاری عہدیداران بھی ایک اہم وجہ ہیں۔ کئی افسران جسم فروشی کے ان اڈوں کی براہ راست یا بلاواسطہ سرپرستی کرتے ہیں اور ان کے مالکان کو پولیس ریڈ یا چھاپوں کی پیشگی اطلاع دے کر محتاط کر دیتے ہیں۔ بعض اوقات اس جنسی تجارت میں حکومتی افسران بھی شامل ہو جاتے ہیں جو ہر ممکن طریقے سے اس کی سرپرستی کرتے ہیں۔

امریکہ:

ایک محتاط اندازے کے مطابق امریکہ میں ہر سال ۲ لاکھ ۴۴ ہزار افراد سے لے کر ۳ لاکھ پچیس ہزار بچوں کی

عالمی سطح پر جنسی تجارت کی جاتی ہے۔ جن کو جسم فروشی یا قحبہ گری، فحاشی، اسمگلنگ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ ان میں سے زیادہ تر بچے دور دراز کے اندرونی شہروں، چھوٹے دیہاتوں اور بستیوں سے لائے جاتے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق نیویارک میں جسم فروشی کرنے والے بچوں میں سے زیادہ تر بچے اپنے افراد خانہ کے ہاتھوں جسمانی اور جنسی تشدد کا شکار ہو کر اس کاروبار میں ملوث ہوئے۔ گھر سے بھاگے ہوئے بچے عموماً خود مختار بن جاتے ہیں اور وہ اپنی مرضی سے منشیات کے استعمال اور شراب پینے کی لت میں پڑ جاتے ہیں اور آخر کار جسم فروشی کا راستہ اپناتے ہیں۔ یہ پریشان کن صورت حال نیویارک کے ساتھ ساتھ فرانسیکو اور لینز جیسے شہروں میں بھی بڑھ رہی ہے جہاں جسم فروشی کا کاروبار بہت فروغ پا رہا ہے۔ امریکہ کے مشہور روزنامے واشنگٹن پوسٹ کی رپورٹ کے مطابق امریکہ میں انٹرنیٹ کے ذریعے فحاشی میں استعمال ہونے والے بچوں کی مانگ میں اضافہ ہوا ہے۔ جس سے اس کاروبار میں ملوث کمپنیوں کے گاہکوں کی تعداد میں بھی اضافے کا رجحان برقرار ہے۔

<u>اٹلی:</u>

اٹلی کی پولیس نے مارچ ۲۰۰۰ء میں ۵ے کمپیوٹرز، تین ہزار فحش تصاویر، چار ہزار فلاپی ڈسک اور دو ہزار ویڈیوز اپنے قبضے میں لیں اور جن میں پیڈوفائلز (یعنی بچوں کو جنسی عمل میں ملوث کرنے والے) افراد کو گرفتار کیا گیا ان میں شعبہ تعلیم سے تعلق رکھنے والے افراد، صحافی، شعبہ صحت کے افسران اور فوجی اہلکار شامل تھے۔

<u>کینیا:</u>

کینیا میں بچوں پر جنسی تشدد اور ان کے جنسی استحصال سے متعلق رپورٹس کے مطابق صورتحال قابو سے باہر ہوتی ہوئی لگتی ہے۔ کچھ غریب خاندان رقم حاصل کرنے کی خاطر خود ہی اپنے بچوں کو قحبہ گری پر مجبور کرتے ہیں۔ ان کی دیومالائی داستانوں کے مطابق <u>''بچوں کے ساتھ جنسی اختلاط کئی بیماریوں سے شفاء دیتا ہے''</u> اس داستان نے بچوں کی جسم فروشی کی شرح میں خطرناک حد تک اضافہ کیا ہے۔

<u>روس:</u>

روس کی پولیس رپورٹ بتاتی ہے کہ اٹھارہ سال سے کم عمر کے چھوٹے بچے جنگلیوں میں اپنا مسکن بنائے ہوئے ہیں ۵ے ہزار دو سو کے قریب ہیں کچھ بڑے ان چھوٹوں کو چھت کی آفر پیش کرتے ہیں مگر اس کے

بدلہ میں وہ ان سے جنسی فوائد کا مطالبہ کرتے ہیں۔

بین الاقوامی پروگرام برائے خاتمہ بچوں کی مزدوری (IPEC) کی ۲۰۰۱ء میں کی جانے والی ریسرچ کے مطابق ماسکو میں گلی میں رہنے والے ۲۰ سے ۳۰ فیصد تک بچے ایسے ہیں جو جسم فروشی کا پیشہ کرتے ہیں۔ آئیپک کی ایک معاشرتی تحقیق جو ۲۰۰۰ء میں بچوں کی جسم فروشی کے حوالے سے کی گئی کے مطابق سینٹ (saint) پیٹر برگ شہر میں تقریباً چھ ہزار بچوں کا جنسی استحصال کیا جا چکا ہے۔ جن کو جنسی طور پر استعمال کرنے کے بعد اوسطاً ۳۰ روبلز (۱ ڈالر) دیے گئے۔ ان افراد میں تین ہزار لڑکے بھی شامل ہیں۔

پاکستان:

پاکستان میں نوعمر لڑکوں کا تناسب بہت زیادہ ہے۔ جس کی وجہ سے یہاں پر تجارتی سطح پر بچوں کا بڑھتا ہوا جنسی استحصال مزید فروغ پا رہا ہے۔ اور اسے نمایاں ملک کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔ تجارتی بنیادوں پر جنسی استحصال کے لیے استعمال ہونے والے لڑکوں کی زیادہ تعداد عموماً ہم کو بس اسٹینڈز، راستوں پر بنے ہوئے چھوٹے چھوٹے ہوٹل اور ریسٹورینٹس پر ملتی ہے۔ زیادتی کا شکار ہونے والے بچوں میں ۹ یا ۱۰ سال کی عمر کے بچے زیادہ ہیں۔ عام طور پر کوئی تیسرا فرد (ایجنٹ) اپنے فائدے کے لیے ان بچوں سے زبردستی جسم فروشی کرواتا ہے۔ ۱۹۹۸ء میں ساحل کی ابتدائی تحقیقات میں شمالی پنجاب، مرد بچوں کے جنسی استحصال سے متعلق ریسرچ کی گئی جس میں انکشاف کیا گیا کہ گنجان جگہوں پر قائم ہوٹلوں کے مالک عموماً گھر سے بھاگے ہوئے بچوں کو چھت کمرہ اور کھانے کی لالچ میں زبردستی ان کو جنسی مقاصد کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ اور جو بچے تجارتی سطح پر جنسی مقاصد کے لئے استعمال کیے جاتے ہیں ان میں زیادہ تر بچے وہ ہوتے ہیں جو اپنے خاندان یا دوسرے افراد خانہ (جن میں محرم رشتہ دار بھی شامل ہیں) کے ہاتھوں جنسی تشدد کا نشانہ بنتے ہیں۔ اور بعض کام سیکھنے والی جگہوں پر اپنے استاد کے جنسی تشدد کا نشانہ بنتے ہیں۔

بھارت:

انڈیا میں بچوں کی جسم فروشی واضح طور پر بڑا مسئلہ ہے۔ ایک عام خیال کے مطابق انڈیا میں جسم فروش بچوں کی تعداد ۲ لاکھ ۷۰ ہزار ہے۔

انڈونیشیا:

یونیسیف (Unicef) کی رپورٹ کے مطابق انڈونیشیا میں اٹھارہ سال سے کم عمر افراد جو جسم فروشی میں ملوث ہیں کل تعداد کا تیس فیصد یا ۴۰ سے ۷۰ ہزار تک ہیں۔

آسٹریلیا:

۱۹۹۸ء میں بین الاقوامی ادارے ایکپیٹ (Ecpat) کی آسٹریلیا میں قائم شاخ کے ایک نیشنل ریسرچ پروجیکٹ "Youth for sale" یعنی بچہ برائے فروخت میں انکشاف کیا گیا کہ ۱۸ سال سے کم عمر ۳ ہزار ۷ سو ۳۳ بچوں نے یوتھ سروس ایجنسیوں کو بتایا کہ ان کی بقاء اور ضروریات زندگی پورا کرنے کے لئے جنسی سرگرمیوں میں ملوث ہونا پڑتا ہے جیسے رہائش خوراک، نشہ آور ادویات، رقم وغیرہ اور بعض اوقات ''پکی دوستی'' یا رفاقت کی صورت میں۔

فیجی:

پولیس رپورٹ کے مطابق فیجی میں ۱۷ سال کے ۵۵ فیصد، سولہ سال کے ۲۲ فیصد، ۱۹ فیصد ۱۵ سال اور ۱۴ سال کے چار فیصد بچے جسم فروشی میں ملوث ہیں۔

بچوں پر جنسی تشدد کے اہم اسباب:

ایسکیپ (Escap) نے صوبائی سطح پر ایک تحقیق کی ہے جس میں بتایا گیا کہ مندرجہ ذیل وجوہات کی بناء پر بچے خصوصی طور پر جنسی تشدد کا نشانہ بنتے ہیں:

(۱) خاندانی مسائل (جس میں گھریلو تشدد، ماں باپ میں علیحدگی، اور والدین کی وفات وغیرہ شامل ہیں)۔

(۲) دوست جو اکثر زبردستی یا بہانوں سے بچوں کو جنسی برائیوں کی طرف مائل کرتے ہیں۔

(۳) بچوں کے استحصال کا ادراک رکھنے والے افراد ان کی بے خبری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کی رضا مندی سے ان کو جسم فروشی کے کاروبار میں دھکیل دیتے ہیں۔

(۴) چوتھی بڑی وجہ جس کی وجہ سے بچے جسم فروش بنتے ہیں اس میں وہ مالکان شامل ہیں جن کے پاس بچے کام کرتے ہیں اور وہ زبردستی ان سے جسم فروشی کرواتے ہیں۔

(ساحل، میگزین نمبر ۱۴، شمارہ نمبر ۳۴، اکتوبر، دسمبر ۲۰۰۵ء)

مفعول:

اکثر محققین اور علماء حضرات کے ذہن میں یہ سوال سر اٹھاتا ہے کہ فاعل کا فعل تو سمجھ میں آتا ہے کہ اس گندے کام سے کچھ لطف حاصل ہوتا ہو لیکن مفعول کو آخر کیا مزہ آتا ہے کے وہ پیسے دے کر اس فعل خبیث کے لئے اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں؟

جب میں نے اس ٹاپک پر ریسرچ شروع کی تو میرے سامنے بھی ایسے بہت سے کیسز (Cases) آئے جن میں بہت سے افراد اس کام کے لئے اپنے آپ کو باخوشی پیش کرتے ہیں اور ان میں نوجوان حضرات سے لیکر قریب المرگ بوڑھے بھی شامل ہیں۔ میرے ذہن میں بھی اس کا راز جاننے کی خواہش پیدا ہوئی جس کے لئے میں نے بے شمار کتابوں کا مطالعہ کیا بے شمار ویب سائٹس پر گیا لیکن کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ آخر ایک دن میری نظر ایک کتاب پر پڑی جس نام ''سیکس ایجوکیشن'' تھا یہ کتاب میں نے فوراً خرید لی اس کتاب کو پڑھنے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ یہ اس موضوع پر لکھی جانے والی بہترین کتابوں میں سے ہے۔ لیکن اس کتاب میں بھی مجھے واضح طور پر اپنے سوال کا جواب نہیں ملا۔ اچانک مجھے ایک خیال آیا اور میں نے کتاب میں سے مصنف کا موبائل نمبر نوٹ کر لیا۔

اس کتاب کے مصنف پروفیسر ارشد جاوید ہیں جو کہ ایک بہت اچھے سائیکولوجسٹ ہیں۔ میں نے ان سے اس مسئلہ کی وضاحت طلب کی جو کہ مختصراً مندرجہ ذیل ہے:

اس فعل میں فاعل و مفعول، دونوں کو جنسی تسکین حاصل ہوتی ہے، اگر دونوں کی رضامندی شامل ہو۔ مقعد کے اندر بعض حساس رگیں، نسیں ہوتی ہیں۔ جب ان کو چھیڑا جائے یا متحرک کیا جائے تو مفعول کا اگلا حصہ یعنی مرد کا عضوء تناسل بھی متحرک ہو جاتا ہے، اس میں شہوت (سیکس) پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے اور اس کو انزال (Orgasam) بھی ہو جاتا ہے۔ مزید آسان الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ اس فعل ،لواطت (Sodomy) میں فاعل بھی لذت حاصل کرتا ہے اور مفعول بھی کیونکہ دونوں کو انزال ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ بھی بتایا کہ بعض پیشہ ور عورتیں آگے کی بجائے پیچھے سے مباشرت کرواتی ہیں۔ اعلیٰ ہذا القیاس جب اس فعل بد میں جب کوئی مفعول بننے کا عادی ہو جاتا ہے اور فاعل کو اپنے اوپر خود اختیار دیتا ہے تو اس کو اس کی لت پڑ جاتی ہے۔ اس ہی لئے ایسے حضرات اکثر شادی بھی نہیں کرتے بلکہ ساری عمر

اس غلاظت کے گڑھے میں پڑے رہتے ہیں۔
قربان جایئے حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی علمی بصیرت پر کہ انہوں نے آج سے چودھا سو سال پہلے ہی اس مسئلے کا جوب دے دیا تھا:
جو مرد بخوشی اپنے پر قدرت دے دے کہ اس کے ساتھ ملوث ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص میں عورتوں کی شہوت ڈال دیتے ہیں اور قیامت تک کے لئے اسے شیطان مردود بنا دیتے ہیں۔ (کتاب الزواجر لابن حجر الہیتمی، ص ۱۲۴، ج ۲)
خدا تعالی سے دعا ہے کہ ہر فتنہ سے ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین

(اردو ڈائجسٹ سے انتخاب:) بچوں کو جنسی تشدد سے بچایئے

(صغیرہ

بانو شیریں)

پھول جیسے معصوم نرم و نازک بچے گھر کی رونق ہیں۔ان ہی کے دم سے گھر میں خوشیاں رقص کرتی ہیں۔ان کی معصوم باتوں پر پیار آتا ہے۔ان کی کھلکھلاتی ہنسی سے دل خوش ہو جاتا ہے۔بچے نہ ہوں تو گھر بھرا ہونے کے باوجود ویران نظر آتا ہے۔ایک معصوم چھوٹا بچہ پورے گھر کو اپنے ننھے منے وجود کے ساتھ مصروف رکھتا ہے۔لیکن زمانے کی بدلتی ہوئی اقدار کے ساتھ ساتھ اب بچوں کے ملبوسات میں مغربی رنگ جھلکنے لگا ہے۔نو جوان بچیاں سکرٹ اور بلاؤز پہنتی ہیں جن کو دیکھ کر دوسرے لوگ ان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

بچوں کے عریاں ملبوسات:

جالی کی آستینیں، کھلے گلے کے بلاؤز اور ننگی ٹانگیں دوسروں کی توجہ کی محتاج ہوتی ہیں انجانے میں نگاہ بد پڑ جاتی ہے۔جن گھروں میں نو جوان نوکر ،خانساماں، ڈرائیور وغیرہ ہوں وہ ایسی بچیوں کو خواہ مخواہ پیار کرتے ہیں۔ایسی ہی ایک چھ سات سالہ بچی کا سچا واقعہ ہے۔خوبصورت گول مٹول بچی سب کی نگاہوں کا مرکز تھی۔سرخ سرخ سیب سے گال بھاگنے سے اور زیادہ لال ہو جاتے۔سیاہ بھونرے جیسی آنکھیں موتی کی طرح چمک اٹھتیں۔سکرٹ اور بلاؤز سے گورے گورے بازو اور ٹانگیں دیکھ کر خدا کی قدرت یاد آتی۔ان کے گھر کا اوپر والا پورشن کرائے پر تھا۔پوری فیملی سعودیہ میں رہتی تھی صرف صاحب خانہ یہاں تھے۔اس بچی کو انہوں نے اپنے سے بہت مانوس کر لیا تھا۔دفتر سے آتے ہی اسے پیار کرتے۔ڈھیر ساری چاکلیٹ اور چپس کے لفافے پکڑاتے۔پھر اسے اپنے ساتھ اوپر لے جاتے۔کبھی کبھی بچی کی ماں اعتراض کرتی تو آنکھوں میں آنسو بھر کر کہتے: ''اسے دیکھ کر مجھے اپنی ''بے بی'' یاد آتی ہے۔آپ نے تو دیکھا ہے کہ اتنی ہی عمر کی ہے''یوں وقت گزرتا رہا اور بچی ساتویں جماعت میں آ گئی۔ان صاحب نے اسے انجانے طریقے سے بہلا پھسلا کر اپنی ہوس کا نشانہ بنایا اور یہ سلسلہ کالج جانے تک چلتا رہا۔وہ خود اسے کپڑے تحفے میں دیتے۔ان کپڑوں میں بھی عریانیت ہوتی۔پھر ان صاحب کے خاندان کو ایک حادثہ پیش

آ گیا اور انہیں پاکستان سے باہر جانا پڑا۔ لڑکی جوان تھی اس کے رشتے آنے شروع ہوئے۔ یہ لڑکی ناکردہ گناہ میں ملوث رہی تھی اس کے ذہن پر بوجھ تھا۔ وہ اندر سے ٹوٹ پھوٹ چکی تھی۔ آلودگیوں نے اسے جکڑ لیا تھا سوچوں میں گھری لڑکی نے مجھے خط لکھا، وہ خودکشی کرنا چاہ رہی تھی۔ پارسا باپ اور پیار کرنے والی ماں اور چھوٹے بہن بھائی اس کے سامنے آجاتے۔ اس کے ذہن میں ایک ہی بات تھی کہ وہ معصوم نہیں، پارسا نہیں، پھر وہ اپنے ہونے والے شوہر کا کیسے سامنا کرے گی۔ اسے پتہ لگ گیا تو کیا ہوگا؟ اس کی روح زخمی زخمی اور روح پارہ پارہ۔ میں نے اسے نماز کی طرف راغب کیا۔ اس نے اپنے سارے ملبوسات جلا دیے عریانیت سے نجات ملی تو اس نے خود لکھا کہ اب میرے گھر کے نوکروں میں بھی تبدیلی آگئی ہے۔ ان کی آنکھوں میں ہوس نہیں بلکہ احترام ہوتا ہے۔ اس نے توبہ کی اللہ کی درگاہ میں رو رو کر معافی مانگی۔ اس کے باوجود اس کے دل میں خوف تھا۔ اس بچی کے لیے بہت جتن کرنے پڑے۔ سمجھانے بجھانے کے علاوہ ایک صاحب کشف بزرگ سے پوچھ کر دعا بتائی۔ پھر اس کی شادی ہوگئی مجھے یقین ہے کہ وہ جہاں ہوگی خوش ہوگی، انشاءاللہ۔ ماؤں سے مجھے اتنا کہنا ہے کہ بچیوں کے لباس کی طرف خاص توجہ دیں۔ انہیں ایسے کپڑے نہ پہنائیں جن سے جسم ننگا نظر آئے۔ کئی گھروں میں دیکھا کہ بچی کے بازو اور ٹانگوں پر پیار سے ہاتھ پھیرا جاتا ہے۔ یہ صحیح نہیں۔ اپنی بچیوں کو بری نگاہ سے محفوظ رکھئے۔

<u>بچوں کو اکٹھا نہ سلائیے:</u>

ہمارے ہاں عام طور پر جب مہمان آتے ہیں تو متوسط طبقے اور غریب لوگوں کا یہ قاعدہ ہے کہ بچوں کو اکٹھا سلا دیتے ہیں، یہ طریقہ بہت غلط ہے۔ پچھلے دنوں راولپنڈی سے ایک لڑکے کا خط آیا۔ وہ چھٹی جماعت میں پڑھتا تھا۔ گاؤں سے اس کا چچازاد بھائی آگیا۔ وہ دسویں کر کے کالج میں داخلہ لینے آیا تھا۔ اس نے رات کو چاقو دکھا کر لڑکے کے ساتھ زیادتی کی اور کئی سال ایسا کرتا رہا۔ یہ لڑکا جب کالج میں آیا تو اس نے سنا کہ یہ گناہ کبیرہ ہے اور اللہ اسے کبھی معاف نہیں کرے گا۔ اس لڑکے نے اپنے آپ کو سزا دینی شروع کی۔ بھوکا پیاسا رہتا۔ پوری پوری رات نفل پڑھ کر توبہ کرتا۔ جیب خرچ صدقہ کر دیتا۔ اس نے خط میں لکھا: ان ساری باتوں کا ذمے دار میرا باپ ہے میں نے جب بھی چچازاد بھائی کی شکایت کی وہ مجھے ڈانٹ کر چپ کرا دیتے اور کمرے میں جا کر سونے کی تاکید کرتے۔

لڑکے کے ذہن پر گناہ کا احساس حاوی ہو چکا تھا۔اس نے پیسے جمع کر کے پستول خریدا اور مجھے خط لکھا:'' صرف مجھے اتنا بتا دیجیے۔اللہ میرا گناہ معاف کردیں گے۔مجھے عذاب تو نہیں ہوگا۔''اس لڑکے کو میں نے اردو ڈائجسٹ کے ذریعے جواب دیا اور سمجھایا،شکر ہے اس نے بات سمجھ لی۔اور خودکشی سے تائب ہو کر مجھے شکریے کا خط لکھا۔یہ حال ہی کے سچے واقعات ہیں۔ہمارے معاشرے کا یہ ایک بہت بڑا المیہ ہے۔ کوئی ذی ہوش یہ سوچ سکتا ہے کہ معصوم بچے اور بچیوں کو اس طرح تشدد کا نشانہ بنایا جاسکتا ہے۔ابھی چند ہفتے ہی گزرے ہیں۔اخبار میں ایک خبر چھپی تھی۔چھ سات سالہ معصوم بچی کو تشدد کا نشانہ بنا کر مار ڈالا گیا۔ کتے اس کی لاش بھنبوڑتے رہے۔

<u>بچیاں سودا سلف لینے تنہا دکان پر نہ جائیں:</u>

کالج اور اسکول کی نوخیز بچیاں اپنی پسند سے سہیلیوں کے لیے تحفے خریدتی ہیں۔کتابیں اور کارڈ لیتی ہیں۔ وڈیو فلمیں لینے جاتی ہیں۔والدین کو چاہیے وہ خود بچیوں کو خریداری کرائیں۔انہیں وقت بے وقت دکانوں پر نہ بھیجئے۔زمانہ خراب ہے۔آپ خود احتیاط کریں۔کسی سہیلی کے ہاں جانا ہو تو آپ خود بچی کو چھوڑ کر آیئے اور لیکر آنے کی بھی کوشش کیجئے۔آپ کی تھوڑی سی احتیاط بچیوں کو زمانے کی دست برد سے محفوظ رکھے گی۔

<u>بچوں پر کڑی نظر رکھئے:</u>

عام لوگوں کا خیال ہے کہ پسماندہ علاقوں میں جاہلیت کی بنیاد پر بچوں کے ساتھ زیادتی ہوتی ہے،حالانکہ ایک جائزہ کے مطابق اس میں دوسرے لوگ بھی شامل ہوتے ہیں۔زیادہ تر لوگ ایسے ہوتے ہیں جنہیں بچہ جانتا ہے اور وہ ظالم،بچے کی معصومیت اور بھولپن سے انجانے میں فائدہ اٹھا لیتے ہیں۔فطری طور پر بچہ بھولا بھالا ہوتا ہے۔یہ لوگ انتہائی ہوشیاری،چالاکی،پیار،دھمکی اور جبر سے بچے کو قابو کر لیتے ہیں۔یہ <u>لوگ ابنارمل بھی نہیں ہوتے معاشرے میں فعال حیثیت رکھتے ہیں۔</u>

بچے اور بچیوں پر کڑی نظر رکھنی چاہیے تاکہ وہ کسی کے دھوکے میں نہ آئیں۔ایک اندازے کے مطابق چھ سے لیکر گیارہ سال تک کے بچے جنسی تشدد کا شکار بن جاتے ہیں۔

نفسیاتی طور پر ایسا بچہ دباؤ کا شکار رہتا ہے۔زندگی میں وہ کبھی یہ بات فراموش نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ

انجانے میں زیادتی ہوئی ہے۔ لاشعور میں جو زہر گھل جاتا ہے وہ اسے بے چین رکھتا ہے۔ والدین کو بچے کی عادات اور نقل و حرکت پر خاص نظر رکھنی چاہیے۔ آپ کا بچہ ذہین ہے امتحان میں پوزیشن لے رہا ہے، پھر یکدم اس کا دل پڑھائی سے اچاٹ ہو گیا ہے۔ نمبر کم آ رہے ہیں۔ سبق یاد نہیں کرتا دوسرے لوگوں کے سامنے آتے ہوئے جھجک جاتا ہے۔

کچھ بچے باغات میں جانے سے، اندھیرے سے خوف کھانے لگتے ہیں۔ کسی عزیز رشتے دار کے پاس جاتے ہوئے گھبراتے ہیں۔ ان کا رویہ عجیب ہو جاتا ہے (یعنی ایک دم ان میں تبدیلی آ جاتی ہے)۔

ہر چیز سے بے رغبتی اور بیزاری ظاہر کرتے ہیں۔ کھانا پسند نہیں آتا نیند میں ڈرتے ہیں اور کچھ بچے تو بالکل بچے بن جاتے ہیں، تتلا کر بولتے ہیں۔ ماں باپ سے لپٹے رہتے ہیں۔ انگوٹھا چوسنے لگ جاتے ہیں۔ بستر پر پیشاب کر دیتے ہیں۔ کچھ بچے مخصوص جانوروں اور بڑے کھلونوں کو پسند کرتے ہیں۔ ہر بچے کا اپنا مختلف کردار ہوتا ہے۔ وہ کبھی خود کو قصوروار جانتے ہوئے تعلیم یا کھیل کے میدان میں محنت کر کے اپنا تسلط جمانا چاہتے ہیں۔ اپنی غلطی کا احساس اسے پریشان رکھتا ہے۔ بڑے ہو کر بھی احساس کمتری ختم نہیں ہوتا۔ گھبراہٹ، خوف، اضمحلال، اذیت پسندی نشہ آور چیزوں کے استعمال یا خودکشی کا رجحان رہتا ہے۔ نفسیاتی طور پر یہ بچے دوہری شخصیت کے حامل ہوتے ہیں۔ اضمحلال کا شکار ہو کر انہیں نسیان کا عارضہ لاحق ہوتا ہے۔ والدین بچے پر نگاہ رکھیں تو معاملہ وہیں ختم ہو جاتا ہے، لہٰذا بچے کو پیار سے اعتماد میں لے کر سمجھائیے۔

بچوں کو نامناسب پروگرام نہ دکھائیے:

ٹی وی، وی سی آر پر ایسی فلمیں جو بچوں کے لیے نامناسب ہوں، بالکل نہ لگائیے۔ بہت سے ایسے پروگرام اور ایسی فلمیں ہوتی ہیں جو بچوں کے ساتھ نہیں دیکھنی چاہئیں۔ بچے کے ذہن پر برا اثر پڑتا ہے۔ یہ بچے قوم کی امانت ہیں ان کی صحیح پرورش کرنا والدین کا فرض ہے۔ نیک اولاد صدقہ جاریہ ہوتی ہے۔ دینی خطوط پر بچوں کی پرورش کی جائے تو وہ برا بھلا جان جاتے ہیں۔

پہلے زمانے میں مشترکہ خاندانی نظام ہوتا تھا۔ پورا گھرانہ مل کر بچے کی تربیت میں حصہ لیتا تھا۔ دینی اقدار سے بچے کو آگاہ کیا جاتا اور بری باتوں سے روکا جاتا تھا۔ بزرگوں کا کہنا تھا بچوں کو کھلاؤ سونے کا نوالہ اور

دیکھو شیر کی نگاہ سے۔ ماضی قریب تک بچوں کی خاص نگہداشت کی جاتی تھی۔ سبزی ترکاری بیچنے والی خواتین گھروں میں آتیں تو ان کی ہر بات پر نگاہ رکھی جاتی تاکہ بچوں کے اخلاق پر برا اثر نہ پڑے۔

<u>نوکروں اور بچوں کے دوستوں پر نظر رکھئے:</u>

جو بچے اور بچیاں نوکروں کی آغوش میں پلتے ہیں، ان کا اللہ ہی حافظ ہے۔ ماؤں کو چاہیے بچوں کو خود نہلائیں، دھلائیں اور خود کپڑے پہنائیں۔ نوکروں کے ساتھ کبھی بچے کو تنہا چھوڑیے نہ اسے نوکر سے مانوس ہونے دیجئے اپنے بچے کی خود حفاظت کیجئے۔ اسے ایسا موقع نہ دیجئے جو تمام زندگی کے لیے ناسور بن کر رستا رہے اور اس کا مداوا نہ ہو سکے۔

میرے پاس ایسے بچے اور بچیوں کے خط آتے ہیں جو اپنے جسم کو ہاتھ لگاتے ہوئے گھبراتے ہیں اور گناہ سمجھتے ہیں۔ بچوں کو بتانا چاہیے یہ ان کا اپنا جسم ہے، وہ اسے چھو سکتے ہیں، تاہم جسم ڈھانک کر رکھنا چاہیے۔ اور کسی دوسرے کو ہاتھ لگانے کی اجازت نہیں دینی چاہیے۔ <u>ماں باپ بہن بھائیوں کے علاوہ کسی سے لپٹنا چمٹنا نہیں چاہیے۔ اگر کوئی ان کو تنگ کرے تو ماں باپ کو بتادے۔</u>

<u>بچوں پر تشدد:</u>

عام طور پر بچوں پر دو طرح کا تشدد ہوتا ہے۔ اجنبی، نوکر، دکاندار ملنے جلنے والے زیادتی کر جاتے ہیں۔ نازیبا فحش گفتگو اس میں شامل ہے۔ گالیوں کی زبان جو لوگ استعمال کرتے ہیں، وہاں بچے کو جانے سے روک دینا چاہیے۔ <u>اس طرح نامناسب زبان میں بچوں کو جنس سے آگاہ کرنا، اس کے جسم کو چھونا، پیسوں کی ترغیب یا تحفے دینا ایسی حرکات ہیں جن پر کڑی نگاہ رکھنے کی ضرورت ہے۔</u>

دوسری قسم میں بچے کے اپنے اعزہ و اقارب شامل ہوتے ہیں جو بہت زیادہ خطرناک ہیں۔ میو اسپتال میں ایک دس سالہ بچے کو گاؤں سے ایک عورت لے کر آئی تھی۔ بچہ ہڈیوں کا ڈھانچا تھا۔ کپڑے پیپ اور خون سے آلودہ تھے۔ عورت نے رو رو کر بتایا کہ اس بچے کا چاچا اسے ملازمت کے لیے ورکشاپ میں لے گیا۔ وہاں زیادتی ہوتی رہی۔ جسم میں کیڑے پڑ گئے۔ میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ چاچا اس کے ساتھ یہ سلوک کرے گا۔ میں غریب بیوہ کہاں سے اس کا علاج کراؤں اور کس کو دکھاؤں۔ میرے پاس تو کھانے کے لیے پیسے نہیں۔ اس کی بات سن کر میں خود پریشان ہو گئی اور اسے پیسے دے کر باہر آ گئی۔ اب بھی وہ بچہ

میری آنکھوں کے سامنے گھومتا ہے۔

بزرگ کہتے ہیں برائی کو پھیلانا نہیں چاہیے۔ پردہ ڈال دینا چاہیے لیکن ایک ایسی برائی جو سامنے موجود ہو، اس سے ہم انکار نہیں کر سکتے۔ نجات حاصل کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں اور یہ سب اسی لیے لکھا ہے کہ لوگ اپنے بچوں کی تربیت دینی خطوط پر کریں۔ ان کا دھیان رکھیں۔ یہ بچے آپ کے مخلص دوست بن سکتے ہیں۔ آپ ان کے قریب آیئے۔ اپنے تجربات کی روشنی میں ان کو عملی زندگی میں آگے اور آگے بڑھنے کی ترغیب دی جئے۔ وہ ہر برائی سے بچ جائیں گے انشاءاللہ۔ اور آپ کی یہی بہت بڑی کامیابی ہوگی، دین میں بھی اور دنیا میں بھی۔ (اردو ڈائجسٹ، ستمبر ۱۹۹۸)

آج جمعرات، ۲۲ نومبر ۲۰۰۷ء ہے ایک خبر ملاحظہ فرمائیں:

اسلام آباد (خصوصی نامہ نگار) تھانہ آئی نائن کے علاقے آئی نائن فور میں اوباش شخص نے کمسن لڑکے کے ساتھ بداخلاقی کی ہے جس پر پولیس نے اسے گرفتار کر کے مقدمہ درج کر لیا ہے۔ پولیس کے مطابق م، س نے رپورٹ درج کروائی کہ ملزم، م م نے آئی نائن فور میں میرے کم سن بیٹے م، م کے ساتھ بداخلاقی کی ہے، جس پر پولیس نے ملزم کو گرفتار کر کے مقدمہ درج کر لیا ہے۔ (روزنامہ ایکسپریس)

لباس

یہاں لباس کا بھی ذکر کرتا چلوں اکثر لوگوں کا اعتراض ہے کہ مولوی حضرات پینٹ شرٹ پہننے کو برا کیوں سمجھتے ہیں اس کا مختصراً جواب یہ ہے کہ شریعت میں لباس کے جو احکامات ہیں پینٹ شرٹ ان پر پورا نہیں اترتا جبکہ شلوار قمیض یا کرتا شلوار مکمل طور پر ایک شرعی لباس ہے۔(قمیض کے کالر پر کیا اعتراض ہے اس کی بحث یہاں نہیں کرتا)

پہلے قمیض کرتا اور شرٹ جو پینٹ کے اوپر پہنی جاتی ہے اس کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کے شلوار قمیض یا کرتا شلوار میں قمیض تقریباً گھٹنوں تک آتی ہے جبکہ وہ شرٹ جو پینٹ کے اوپر پہنی جاتی ہے وہ کمر سے کچھ انچ نیچے تک آتی ہے۔

کرتے یا قمیض کے نیچے شلوار ہوتی ہے جبکہ پینٹ شرٹ میں نیچے پینٹ ہوتی ہے۔اگر پینٹ اور شلوار کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ پینٹ کے مقابلے میں شلوار کافی زیادہ چوڑی اور کھلی ہوئی ہوتی ہے جس سے جسم کے اتار چڑھاؤ بالکل واضح نہیں ہوتے۔

لوگ عموماً شرٹ اندر کرتے ہیں جس سے ان کے جسم کے اتار چڑھاؤ عموماً نمایاں ہو جاتے ہیں۔گو پینٹ شرٹ پہننا جائز ہے اس میں نماز بھی ہو جاتی ہے لیکن اس کے پہننے میں کچھ کراہت ہے(مکروہ اور جائز جمع ہو سکتے ہیں)۔

جیسا کے میں نے شروع میں ذکر کیا ہے کہ بچوں کی حفاظت کے پیش نظر انہیں تنگ لباس پہنانا درست نہیں اس لئے اپنے بچے اور بچیوں کو پینٹ شرٹ کی عادت مت ڈالیں۔

چہرہ کا پردہ

اگر کوئی عورت ایک بازار میں اپنی کمر پر سے کپڑا اتارے یعنی کمر ننگی کرے اور کہے کس حدیث میں لکھا ہے کہ کمر ڈھانکی جائے؟ قرآن کی کس آیت میں کمر ڈھانکنے کا حکم ہے؟ تو

دنیا کا کوئی عالم اس کو ایسی آیت نہیں دکھا سکتا اور نہ ہی کسی حدیث میں یہ لکھا ہوگا کہ کمر کا پردہ بھی ہے۔ ایک موٹی بات آپ کو بتا تا چلوں کہ قرآن وحدیث میں ایک ایک عضو کا نام لیکر نہیں بتایا گیا کہ اس اس کا پردہ کرنا ہے۔ پردہ کیا ہے؟" (مختصراً) پردہ یہ ہے کہ عورت کا حسن چھپ جائے اور مردوں کی نظروں کی حفاظت ہو جائے"۔ ذاکر نائیک کی اس "اعلیٰ ریسرچ" کو سلام کرنا چاہیے کہ انہوں نے ساڑھے چودھا سو سال گزرنے کے بعد یہ انکشاف کیا کہ قرآن میں چہرے کے پردہ کا کوئی ذکر نہیں (لیکن احادیث میں تو ذکر مل جاتا ہے اس کے باوجود بھی اگر کوئی کہے کہ چہرے کا پردہ نہیں تو اس کی ہٹ دھرمی ہے۔)

چلیں دیکھتے ہیں قرآن میں کیا ذکر ہے: اے نبی کہہ دو اپنی عورتوں کو اور اپنی بیٹیوں کو اور مسلمانوں کی عورتوں کو نیچے لٹکالیں اپنے اوپر تھوڑی سی اپنی چادریں۔۔۔ (سورۃ الاحزاب آیت ۵۹)

اور کہہ دو ایمان والیوں کو نیچی رکھیں ذرا اپنی آنکھیں اور تھامتی رہیں اپنے ستر کو اور نہ دکھلائیں اپنا سنگھار بجز اس کے جو ظاہر ہو جائے۔ اور ڈال لیں اپنی اوڑھنی اپنے گریبان پر اور نہ کھولیں اپنا سنگھار۔۔۔۔۔۔

۔ ۔ اور نہ ماریں زمین پر اپنے پاؤں کو۔ (سورۃ نور آیت ۳۱)

اب میں اپنی "ریسرچ" کے مطابق بتاتا ہوں کے قرآن میں پردہ کیا ہے؟ تو سنیے میرا ذہن کہتا ہے کہ پردہ یہ ہے: آنکھیں نیچی رکھیں، اپنے ستر کو تھامیں رکھیں، اپنا سنگھار نہ دکھائیں زمین پر آواز کے ساتھ نہ چلیں میں کچھ مزید انکشافات کرتا ہوں، اوڑھنی ڈالنے کا ذکر تو صرف گریبان پر ہے، سر ڈھانپنا بھی ضروری نہیں ایک فٹ یا اس سے تھوڑی کم چادر لیں اور اس کو اپنے سینے پر لٹکالیں۔۔۔ پردہ ہو گیا میں آپ کو اور رعایت دیتا ہوں صرف سینے پر کپڑا اڈالنے کا ذکر ہے۔ کمر پر چادر ڈالنا غیر ضروری، سر کا پردہ اس کا کوئی ذکر نہیں پیٹھ بازو پیٹ، گردن، ٹانگیں، پچھلا پورا حصہ بمشکل دو بالش لمبائی اور دو بالش چوڑائی اور اگر اس سے کم میں چھپ سکتا ہے تو وہ بھی جائز ویسے......... ..یہ کچھ زیادہ ہی کم نہیں ہو گیا چلیں مولویوں کے اعتراض سے بچنے کے لیے کچھ انچ بڑھا لیں۔ آیت میں ستر کا ذکر بھی آیا ہے یہ کیا ہوتا ہے؟ اپنے ذہن

کے مطابق ستر چھپائیں اس کا ذکر قرآن میں نہیں۔ آپکا ٹوٹل لباس چھے بالش کپڑا ہے یعنی اب آپ یورپ میں ہونے والے ماڈل شوز ـــــــــ۔ دو بالش اوڑھنی باقی چار بالش جسم کے لیے۔ میں نے غامدی صاحب اور ذاکر نائیک سے زیادہ آسان پردہ آپ کو بتادیا! یہ تو میری ''ریسرچ'' تھی، جس کے لیے میں معذرت چاہتا ہوں اب یہ دیکھتے ہیں کہ اس بارے میں علماء کیا کہتے ہیں؟ اپنے مرشد (مفتی محمد اسمٰعیل طورو) کی کتاب ''حوا کے نام'' سے کچھ حوالہ جات پیش کرتا ہوں: ''محترم قارئین جس طرح کے میڈیکل کے اختلافی مسئلہ کی تشریح کا حق ڈاکٹر کو ہے، انجینئرنگ کے مسئلے پر بحث کا حق انجینئر کو ہے قانون کی تشریح کا حق ماہر جج کو حاصل ہے بالکل اس ہی طرح شرعی مسئلے کی صحیح صورتحال کا تعین حتمی اور تفصیل کا حق مستند اور جید عالم دین کو ہے جس طرح مریض یا عام شخص کا ڈاکٹر سے طبی امور میں الجھنا بیوقوفی ہے انجینئرنگ کے مسئلہ میں اس فن کے غیر ماہر فرد کا انجینئر کے خلاف کتاب اٹھا کر مقابلہ کرنا نااہلی و نادانی ہے۔ بالکل اس طرح عام فرد کا دین کے کسی مسئلہ شرعی میں حد متعین کرنا اور علماء کرام کے خلاف عدم اعتماد اور دقیانوسیت کے طعنے دینا صرف بیوقوفی نہیں بلکہ دین سے دوری ہے''۔ (ص ۱۱۰)

آجکل ''پڑھے لکھے لوگ'' یہ کہتے ہیں کہ مولویوں اور علماء کی بات ماننے کی کیا ضرورت، کچھ دنوں پہلے میں اپنے دوست سے کوئی بات کر رہا تھا تو ان حضرت نے مجھے یہ مشورہ دیا کہ علماء کی بات ماننے کی کیا ضرورت ہے، جبکہ ہمارے پاس قرآن اور حدیث موجود ہے۔ تو میں نے صحیح بات سمجھانے کے لیے اس سے یہ سوالات کیے، قرآن کیا ہوتا ہے؟ حدیث کیا ہے؟ قرآن تو دکان سے مل جاتا ہے، اس کا کیا ثبوت کہ یہ اللہ کی کتاب ہے؟ اس نے قرآن کی ایک آیت کا ترجمہ پیش کیا تو پھر میں نے اس سے کہا کہ یہ ترجمہ تم نے کسی عالم یا مولوی سے سنا ہوگا یا کہیں پڑھا ہوگا اور اگر پڑھا ہوگا تو کسی نے لکھا ہوگا اور اگر لکھا ہوگا تو کس نے؟ ظاہر ہے عالم دین نے پھر کہنے لگا کہ آپ ذاکر نائیک کا فلاں لیکچر سن لیں (اس میں انہوں نے ثابت کیا ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے) میں نے کہا تم ڈاکٹر ذاکر نائیک کو عالم مانتے ہو تو علماء کے محتاج تو تم بھی ہوئے!

اچھا اب حدیث ـــ۔ بخاری شریف، تو تم تو یہ کہتے ہو کہ علماء کی بات نہیں ماننی چاہیے بلکہ حدیث کی کتاب کھولو اور پڑھو، تو امام بخاری نبی نہیں بلکہ عالم دین تھے!

حدیث کیا ہوتی ہے؟ نبی کون ہوتا ہے ؟ نبی کا حکم کیا ہے؟ یہ ساری باتیں تمہارے اوپر وحی کے ذریعے نازل ہوتی ہیں؟، اور اگر ہاں ہوتی بھی ہیں، تو پھر یہ وحی کیا ہوتی ہے؟

میرے بھائی! حق بات یہ ہے کہ دین سیکھنے اور سمجھنے میں ہم علماء کے محتاج ہیں۔ ہماری مثال ایسی ہے کہ: ایک بچہ اپنے ٹیچر سے ا، ب پڑھے اور اگلے دن اس سے بحث شروع کر دے کہ الف کو الف کیوں کہتے ہیں اور "ب" کو "ب" کیوں کہتے ہیں "میں آپ سے اتفاق نہیں کرتا" "ب" کو الف اور الف کو "ب" کیوں نہیں کہا جا سکتا؟

بالکل یہی حال ہمارا ہے علماء کی کچھ کتابیں پڑھ لیں بخاری کا اردو ترجمہ اور پھر علماء پر طعنہ زنی شروع کر دی، میں اس بات کو نہیں مانتا، اس سے اتفاق نہیں کرتا......

میں اکثر دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ یہ الفاظ جو تم اپنی گفتگو میں استعمال کرتے ہو: قرآن سنت، حدیث، بخاری و مسلم، محدث، تقلید، کفر شرک، فقہ، اجتہاد، صحیح حدیث ضعیف حدیث حرام حلال، مکروہ، واجب، یہ کس نے سکھائے؟ کسی عالم یا مولوی نے؟ اچھا اگر انہوں نے نہیں تو پھر آپ نے کسی کتاب سے پڑھے، تو وہ کتاب بھی تو عالم ہی نے لکھی اچھا چلو اسکول میں پڑھے تو اسکول کی کتاب میں کہاں سے آئے انہوں نے علماء کی کتابوں سے اٹھائے!............ علماء ہی کی کتابیں پڑھ کر یہ کہنا کہ میں عالم کو نہیں مانتا کتنی بیوقوفی ہے۔ کان کھول کر غور سے سن لو کہ علماء کے بغیر ہم ایک انچ بھی دین پر نہیں چل سکتے۔ تم پھر کہو گے قرآن و حدیث، تو یہ تم تک کس نے پہنچایا؟ یہ ترجمے کس نے کیے؟ یہ اعراب قرآن پر کس نے لگائے؟ اچھا تشریح پڑھ لو، ترجمہ پڑھ لو تو ترجمہ اور تشریح کوئی میں اور تم نہیں لکھتے بلکہ یہ بھی علماء ہی نے کی ہے۔

ہمارا حال یہی ہے، جو چیز پسند نہ آئے اس کے بارے میں کہہ دیا کہ "یہ مولویوں کی تنگ نظری ہے" پچھلی امتوں کی طرح دین کے کچھ حصے پر عمل کرتے ہیں اور کچھ پر اپنی "ریسرچ" کرتے ہیں۔ مولوی نماز پڑھنے کا کہے ٹھیک ہے، سچ بولنے کا کہے ٹھیک ہے، نکاح پڑھا دے، نماز جنازہ......... لیکن جہاں یہ بولے کہ بینک کی نوکری مت کرو، کریڈٹ کارڈ استعمال مت کرو، انشورنس پرائز بانڈ میوزک، ٹی وی فلم، تو مولوی غلط! اور اگر "خدانخواستہ" پائنچے ٹخنوں سے اوپر کرنے کا بولے یا داڑھی کا بولے تو بس نہیں چلتا کہ اسے سولی پر لٹکا دیں۔ ہم دین میں اپنی پسند کی بات سننا چاہتے ہیں اس ہی بارے میں ہمارے مرشد

فرماتے ہیں ''بعض سادہ لوگوں کا تو کہنا ہے کہ ہم دین کو مانتے ہیں ملا کو نہیں مانتے یہ بالکل اس طرح ہے کہ کوئی کہے کہ ہم انجینئرنگ کو تو مانتے ہیں لیکن انجینئر اور ڈاکٹر کو نہیں مانتے اگر چہ ڈاکٹری کو مان کر ڈاکٹر کو نہ ماننا حقیقت میں ڈاکٹری کا انکار ہے اسی طرح عالم کو نہ مان کر دین کو ماننا اسلام کا انکار ہے اور یہ گناہ نہیں چھپا ہوا نفاق ہے۔ڈاکٹری ڈاکٹروں نے پہنچائی تو دین کا رشتہ اسلاف کے ساتھ علماء ہی نے تو جوڑا ہے۔'' (حدیث کا مفہوم ذہن میں رکھنا چاہیے کہ علماء دین کے وارث ہیں)

تو یہ حال ہے ہماری ''کشادہ ذہنیت'' اور ''اعلیٰ سوچ''، جس کی جھولی میں بیٹھیں ہیں اس ہی کی داڑھی نوچ رہے ہیں اصل میں آجکل کے لوگ کافی ''Broad minded'' (براڈ مائنڈڈ) ہیں۔اب کچھ پردہ کے متعلق ذکر کرتا ہوں۔بعض لوگوں نے جو کہ ''علماء'' مشہور ہیں کہہ دیا کہ چہرے کا پردہ نہیں (اور ہم نے فوراً مان لیا)

<u>چہرہ نہ چھپانے کے غلط دلائل:</u>

ان کی پہلی دلیل یہ آیت ہے: ولا یبدین زینتھن الا ماظھر منھا (سورۃ نور) (ترجمہ: عورتیں اپنی آرائش وزیبائش کو ظاہر نہ کریں مگر بجز اس کے جو ظاہر ہو جائے)۔یہ دلیل بالکل غلط ہے کیونکہ ''ظاہر کرنے'' اور ''ظاہر ہونے'' میں زمین آسمان کا فرق ہے۔یاد رکھیں! ایک ''ستر عورت'' (یعنی ستر کا چھپانا) ہے اور ایک مسئلہ ''حجاب'' (پردہ) ہے اس آیت کا تعلق (یعنی سورۃ نور کی آیت ۳۱) ستر عورت کے ساتھ ہے، چہرہ ''ستر عورت'' میں شامل نہیں۔اور پہلی ذکر کردہ آیت (یعنی سورۃ الاحزاب کی آیت ۵۹) کا تعلق ''حجاب'' (پردہ) کے ساتھ ہے۔ان کو آپس میں خلط ملط نہ کریں۔

ان کی دوسری دلیل ابوداؤد شریف کی وہ روایت ہے جس میں حضور ﷺ کی سالی اسماءؓ ان کے گھر میں اس حال میں آئیں کہ انہوں نے باریک کپڑے پہنے ہوئے تھے حضور ﷺ نے ان سے رخ موڑا اور ارشاد فرمایا کہ اسماء! عورت جب بالغ ہو جائے تو اس کے علاوہ اس کا کچھ نظر نہیں آنا چاہیے اور پھر چہرے اور ہتھیلی کی طرف اشارہ کیا۔(قرطبی ج ۱۲، ص ۲۲۸) (اس دلیل کا جواب آگے آرہا ہے) مفتی صاحب فرماتے ہیں:

اصل میں چہرہ کھولنے کے متعلق جو دلائل پیش کئے جاتے ہیں یا تو ان کا تعلق حج کے موقع کے ساتھ ہوتا ہے

(جیسے فضل بن عباسؓ کی روایت) یا پھر اس کے مقابلے میں دیگر کثیر متعارض روایات موجود ہوتی ہیں (یعنی ایسی احادیث موجود ہیں جن سے چہرے کا پردہ واضح ہوجاتا ہے) یا ستر عورت اور پردہ میں فرق نہ کرنے کی بنا پر غلط فہمی ہوجاتی ہے (عورت کا ستر، پنڈلی، کمر، سر کے بال ۔ ۔۔۔ ٹخنے سے اوپر کا حصہ یعنی یہ حصے اپنے بیٹے یا بھائی کے سامنے بھی نہیں کھولے جاسکتے، جبکہ پردہ الگ چیز ہے جو بیٹے، بھائی یا باپ سے نہیں کیا جاتا)، یا چونکہ پندرہ سال تک پردہ کا حکم نازل نہیں ہوا تھا لہٰذہ پردہ کے نازل ہونے سے پہلے عورتوں کا چہرہ نہ چھپانے والی روایات سامنے لائی جاتی ہیں۔ (یعنی وہ احادیث دکھائی جاتی ہیں جو پردہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے کی ہیں) یا حضورﷺ کے پاس ایک عورت نکاح کی غرض سے آتی ہے اور حضورﷺ اس کے چہرے کو دیکھ لیتے ہیں (شادی کی غرض سے چہرہ دیکھنے کی اجازت ہے) اور یا دیگر ضعیف مرسل روایات کو پیش کر کے چہرہ کھولنے کا مشورہ دیا جاتا ہے۔ (ضعیف اور مرسل روایات بعض مخصوص صورتوں میں حجت ہوتی ہیں لیکن پردہ کے باب میں ایسی روایات کا سہارا لینا حقیقت سے فرار اور جہالت ہے۔ ان میں ایک ابن عباسؓ کی روایت پیش کی جاتی ہے، بیہقی، جلد۲، ص ۲۲۵ حضرت عائشہؓ کی روایت بھی اس میں نقل کی جاتی ہے۔ حضرت انسؓ سے بھی اس قسم کی روایت ہے۔ باقی تابعینؒ کی کچھ روایات بھی اس ہی طرح کی ہیں۔ حضرت اسماءؓ کی جو حدیث ابوداوٗد کے حوالے سے نقل کی جاتی ہے اس کا حال بھی کچھ اس ہی طرح ہے، ابوداوٗد نے خود اس روایت پر تنقید کی ہے) (حوا کے نام، ص ۱۱۳)

آئمہ مجتہدین جمہور فقہاء امام مالکؒ کے اصحاب امام شافعیؒ کے اکثر حضرات اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ عورت کے لیے چہرہ چھپانا فرض، لازم اور ضروری ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ چہرہ ستر عورت میں داخل تو نہیں لیکن پردہ (حجاب) میں داخل ہے اور پردہ اس کا واجب اور لازم ہے۔ چہرہ کے پردہ کو ثابت کرنے کے لیے صرف یہی حدیث کافی ہے:

بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ واقعہ افک تفصیل سے بیان فرما رہی ہیں اس میں ہے کہ میں لیٹی ہوئی تھی مسطح آئے تو میں نے اپنے چہرے کو اپنی چادر سے ڈھانک لیا۔ یہ صریح دلیل ہے کہ چہرہ چھپانا پردہ میں داخل ہے۔

روایات میں آتا ہے کہ اس آیت (یعنی سورۃ الاحزاب کی آیت ۵۹) کے اترنے کے بعد صحابیاتؓ ایک

آنکھ کھول کر دیوار سے لگ لگ کر میلی کچیلی باہر جایا کرتی تھیں (ابن ماجہ، درمنثور)۔ حضرات فقہاء کرام نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو جن وجوہات کی بنا پر سزا دے سکتا ہے ان میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس کی بیوی اگر کسی غیر محرم کے سامنے چہرہ کھولے یا اس سے بات کرے۔ او کشفت وجهها لغیر محرم او کلمته (باب التعزیر، فتاوی شامی ج ۳، ص ۱۹۰)

حقیقت میں یہ ایک ایسا گناہ ہے جو پورے معاشرے (Society) کو تباہی کے دہانے پر پہنچا دیتا ہے۔ اکثر ہماری بہنیں یہ کہہ کر چھٹکارا حاصل کر لیتی ہیں کہ "ہماری نیت تو بالکل صاف ہے ہم کسی کو گناہ کی دعوت تو نہیں دیتی ہیں"۔ لیکن حقیقت میں یہی چھوٹی سی بات بڑی برائی کی بنیاد بنتی ہے۔ اور پاکیزہ معاشرے کے وقار کو پامال کرتی ہے۔ "بعض کہتی ہیں کہ ہم باپردہ عورتوں کو جانتی ہیں کہ وہ کتنے گندے کام کرتی ہیں" جواباً عرض ہے کہ اگر نمازی یا حاجی غلط ہو جائیں تو کیا ہم نماز اور حج چھوڑ دینگے؟ اگر مسلمان دھوکا دے تو کیا ہم اسلام کو سلام کر کے چھوڑ دینگے؟ ہرگز نہیں! پیاری بہنوں ہم نے دین پر عمل کرنا ہے کسی کے عمل کو نہیں دیکھنا ہے! نہ ہی کسی کا عمل ہمارے لیے معیار ہے، ہمارے لیے تو اللہ اور اس کے رسول کی تعلیمات معیار ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پیاری بہنوں! ہر ایک سے اس کے عمل کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ صحابیاتؓ اور حضور اکرم ﷺ کی بیویوں کا دل بہت ہی صاف تھا۔ اور پوری امت کی مائیں تھیں امت کے ہر فرد کا ان سے نکاح حرام تھا۔ وہ ہر شر سے محفوظ تھیں پھر بھی وہ پردہ کیا کرتی تھیں کیا ان کا دل ناپاک تھا؟ نعوذباللہ۔۔۔۔ یہ پردہ صرف اسلام کا مسئلہ نہیں، یہ غیرت وحیاء اور ناموس کا بھی مسئلہ ہے۔ خاوند کا اپنی بیوی یا بھائی کا اپنی بہن کو پردہ کی دعوت دیتے وقت بیوی یا بہن کا یہ جواب غلط ہے کہ خود تو دین پر عمل نہیں کرتا اور مجھے پردہ کا کہتا ہے اس کے لیے داڑھی کاٹنا یقیناً کبیرہ گناہ اور حرام ہے لیکن دنیاوی ناموس و غیرت کے ساتھ اس کا تعلق نہیں اور بے پردگی صرف گناہ نہیں بلکہ بے حیائی اور بے شرمی کے ساتھ ناموس کی موت ہے۔ (زمانہ جاہلیت میں عرب سمیت یورپین ممالک میں بھی عورتیں پردہ کیا کرتی تھیں اور "چہرہ" کا پردہ بھی کرتی تھیں تفصیل کے لیے "حوا کے نام" ملاحظہ فرمائیں)

اسلام نے پردہ کا کیوں کہا؟ یا کہا ہی نہیں؟ اور اگر کہا ہے اور یقیناً کہا ہے تو اس میں کیا فوائد ہیں اس کے جوابات آپ خود متعین فرمائیں لیکن میں صرف یہ بات جانتا ہوں کہ "حسن کا حقیقی سرچشمہ" اور پورے

بدن کے "حسن کا ترجمان" چہرہ نہ چھپا کر باقی بدن کا پردہ کرنا کہاں کا پردہ ہے؟ خدا کی قسم یہ اپنے نفس کو دھوکہ میں ڈالنے اور شیطان کو خوش کرنے والی بات ہے۔ (حوا کے نام، ص ۱۱۹)

آخری بات:

آخری گذارش یہ ہے کہ دنیا میں ہماری زندگی بہت کم ہے پتہ نہیں کب جسم اور روح کا رشتہ ٹوٹ جائے اور ہم ایسی زندگی میں داخل ہو جائیں جو کبھی نہ ختم ہونے والی ہے۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم دین سے دوری کو ختم کر کے لوٹ آئیں اور اس کے ساتھ اپنے رشتے کو مضبوط کر لیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اور ہماری آنے والی نسلوں کو ہر شر اور فتنے سے بچائے اور ہمیں اسلامی تعلیمات پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین